خودداری!

اے عورت تیرا نام خودداری ہے

چمکی

مصنفہ

میرزا عظیم بیگ چغتائی

ناشر

نظامی بک ایجنسی بدایوں

(مطبوعہ نظامی پریس بدایوں یو۔پی)

فہرست

خودداری

کچھ عرصہ ہوا میرے ایک بے تکلف دوست نے اس غرض سے میری دعوت کی کہ اپنے مہمانوں سے میرا تعارف کرائیں۔

وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ یہ مہمان بھی غائبانہ میرے کرم فرماؤں میں سے ہیں۔ ایک ناول نویس یا افسانہ نویس کے قدردان بھی طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اُن میں سے ایک صاحب ایسے تھے جن کا خیال تھا کہ میں نے اپنے ناول "کمزوری" اور "شہزوری" لکھ کر اپنی وقعت میں (کم از کم اُن کی نظروں میں) بجائے اضافہ کرنے کے کمی کر دی۔ میں نے وجہ پوچھی تو وہ عجیب و غریب! یہ کہ عورت کی "کمزوری" یا "شہزوری" فی نفسہ اس قدر قابل توجہ نہیں کہ ایک ناول نویس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکے اور اگر ناول نویس نے ایسا کیا تو قطعی اس نے عورت کی سرشت کا انتہائی سرسری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ کیونکہ عورت کی فطرت میں اگر کوئی شے ہے جو حقیقت اور اہمیت رکھتی ہے تو وہ "خودداری" ہے۔

مگر قبل اس کے کہ میں کچھ عرض کروں ایک اور صاحب بولے کہ "بالکل غلط! خودداری کوئی شے نہیں۔ اصل چیز مکاری اور غداری ہے۔"

نتیجہ یہ کہ ان دونوں اصحاب نے ایک دلچسپ بحث کا باب کھول دیا۔

ایک کا کہنا تھا کہ "اے عورت تیرا نام خود داری ہے" اور دوسرے کا کہنا تھا کہ "اے عورت تیرا نام غداری ہے" ہر دو اصحاب نے وجوہات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور خود داری والے حضرت نے اپنا نظریہ ثابت کرنے کے لئے خود اپنے تجربات کو پیش کیا اور ایک انتہا سے زیادہ دلچسپ آپ بیتی سنائی۔ آپ بھی سنئے اور اس کہانی سے لطف لیجئے جو بجنسہ اختصار کے ساتھ اُن ہی حضرت کی زبانی پیش کرتا ہوں۔

عظیم بیگ چغتائی

نذر باغ
جاورہ (سنٹرل انڈیا)

حصّہ اوّل

بڑی بی

سولہ یا سترہ سال کی عمر میں مجھ یتیم و یسیر کا آخری سہارا ٹوٹ گیا۔ یعنی چھوٹے چچا کا انتقال ہو گیا اور مجھے فکر معاش کرنا پڑی۔ تیل کے محکمے کے ایک انسپکٹر تھے جو مجھے اور میرے چچا کو جانتے تھے اور انھوں نے مجھے اپنے محکمہ کے ایک ایجنٹ کی دکان پر دس روپیہ کا بابو نما قلی کرا دیا۔ میری تعلیم نویں جماعت تک تھی اور یہاں میرے سپرد دفتر کا ایسا کام تھا جس میں بل بنانے اور پارسل چھڑانے اور کھولنے سے لے کر اپنے بڑے بابو کے گھر کی ترکاری تک لادینے کے فرائض شامل تھے۔ دس روپے کی تنخواہ میں بڑی مشکل سے گذر چلتی تھی۔ ایک ٹوٹا پھوٹا کچا مکان میں نے کرایہ پر لے لیا تھا اور خدا بھلا کرے ایک بڑی بی کا جو ایک روپیہ مہینہ تنخواہ مجھ سے لیتی تھیں گھر میں جھاڑو دے دیتیں اور روٹی پکا دیتیں اور مجھے اُن کی ذات سے بڑا آرام تھا۔ محلّہ کی غریب پردہ نشین عورتوں کے گھر کے سودے سلف کا بھی یہی کام کرتی تھیں۔ کبھی یہ بھی کرتیں کہ میری روٹی کسی اور کے یہاں سے پکوا لاتیں اور خود کسی خاص دوڑ دھوپ میں لگی رہتیں۔ غرض ان کی ذات سے مجھے بڑا آرام تھا کہ عجیب معاملہ پیش آیا۔

دراصل دو چار روز سے آثار ہی کچھ ایسے تھے۔ ذرا غور کیجیے گا کہ بچپن

برس کے لگ بھگ تو عمر اور اپنے حسابوں قریب قریب عروسی جوڑا پہنے آنکھوں میں سرمہ لگائے گنے چنے کھچڑی بالوں کو تلنے چلی آ رہی ہیں۔ مجھ کمبخت کو کیا معلوم کہ خیر سے کورٹ شپ فرمائی جا رہی ہے اور اُن کی خدمت سے بہت جلد مجھ کو محروم ہونا ہے۔

بات دراصل یہ تھی کہ مسجد کے مُلّا سے اور بڑی بی سے نہ صرف کورٹ شپ ہو رہی تھی بلکہ محبت کے پینگ بڑھ رہے تھے۔ اور لوگوں نے غور بھی نہ کیا کہ یہ جو مُلّا جی نے ہفتہ کے ہفتہ نائی سے سر پر پان بنوانا اور داڑھی پر دفعہ ۱۴۴ عائد کر دی ہے تو جلد اس کا کچھ نتیجہ نکلنے والا ہے۔ ان مُلّا جی کا بھی حلیہ سن لیجئے کہ کوئی ساٹھ پینسٹھ برس کی عمر ہوگی، ایک آنکھ بھی نہیں تھی جس کے سبب سے عموماً اُن کو لوگ ایک دوسرے مُلّا جی سے الگ تھلگ رکھنے کے لئے "کانڑے مُلّا" بھی کہتے تھے۔ بڑی بی کی طرح اُن کی دور کے رشتہ داروں کو چھوڑ کر قریب کے رشتہ داروں میں سوائے اللہ میاں کے اور کوئی نہ تھا اور یہ مسجد میں ایک حجرے میں رہتے تھے۔

نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ ایک روز بجلی گری، محلہ میں کھلبلی سی مچ گئی جب یہ خبر عام ہوئی کہ بڑی بی نے مُلّا جی سے نکاح کر لیا۔ دراصل خود دلہن اپنے عقد کے چھوارے گھر گھر بانٹتی پھر رہی تھی کہ محلہ کے لڑکے لگ گئے، چھوارے پھینک بھاگ ملانی جی یعنی سابقہ بڑی بی اپنی سسرال یعنی مسجد کی طرف بھاگیں۔ جہاں پہونچکر فوراً قلعہ بند ہو گئیں۔ میں گھر سے نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ہلڑ سا مچا ہے۔ مُلّا جی مسجد کے دروازے پر کھڑے ڈھیلے ہاتھ میں لئے لڑکوں کو للکار رہے ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ یہ ہنگامہ ویسے فرو بھی مشکل ہی سے ہوتا اگر محلہ کے دو چار آدمی ان شیطانوں کو نہ کھدیڑتے

اس شادی خانہ آبادی سے میرے اوپر نا قابل برداشت افتاد پڑی۔ روٹی خود پکانی شروع کی کیونکہ مُلّانی جی مسجد سے نکلتی ہی نہ تھیں۔ کچھ تو عروسِ نو ہونے کی وجہ سے اور کچھ لڑکوں کی وجہ سے۔ تیسرے روز میں خود اُن کے پاس گیا کیونکہ مجھے اُن سے ایک روپیہ کا حساب لینا تھا۔

مسجد کا وسیع احاطہ تھا۔ حجرہ صحن سے فاصلہ پر تھا۔ میں جو پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مُلّانی جی بیٹھی حجرہ کے سامنے روٹی پکا رہی ہیں اور مُلّا جی اپنے کبوتروں کو دانہ ڈال رہے ہیں۔ قریب ہی چارپائی بچھی تھی۔

مُلّا جی نے کہا: "وعلیکم السلام" خاطر سے چارپائی گھسیٹ دی۔ مُلّانی جی نے کچھ شرمائی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا اور انھوں نے بھی بیٹھنے کو کہا بہت جلد مطلب سمجھ گئیں۔ روپیہ کا بھی حساب دیا اور پھر میری تکلیف کا بھی ذکر کیا مُلّا جی بھی حقّہ بھر کر چارپائی پر بیٹھ گئے اور بہت جلد ایک دو باتیں کرنے کے بعد ہی انھوں نے فلسفہ ازدواج کے چند تاریک پہلوؤں پر وہ روشنی ڈالی ہے کہ میری تو آنکھیں کھل گئیں۔

ذرا غور کیجئے کہ اس سے قبل خود روٹی پکاتے تھے۔ بیمار پڑ جائیں تو کوئی اتنا نہ تھا کہ پانی بھی دیدے۔ دنیا میں کوئی ہمدرد اور کوئی مونس و غمخوار نہ تھا۔ کوئی دکھ پہنچے تو شریک غم ندارد۔ دل کو اگر بدرجہ مجبوری کبھی خوش ہونا پڑا تو ہمنوا نہیں۔ عمر کا آخری حصّہ اس عالم تنہائی میں عجیب روحی تکلیف سے گذر رہا تھا۔ ایک آباد محلے میں رہتے ہوئے دراصل وہ اکیلے تھے۔ جس کسی کے پاس گھستے وہ تھوڑی دیر بات کرکے الگ ہوتا اور اپنے گھر میں چلا جاتا۔ اور پھر بعینہٖ یہی حالت اُن بڑی بی کی تھی۔ لیکن اب کیا حال تھا؟ بس نہ پوچھئے محلہ کے اُن افراد کی ذہنیت کا ماتم کر رہے ہیں جو خواہ مخواہ اس شادی

کا مذاق اڑاتے تھے۔ اور ان میں سے چند ناہنجار تو اس قدر دیدہ دلیر ہو گئے تھے کہ انھوں نے ہالشتیے تعینات کر دیتے جو انتہائی بدتمیزی کے ساتھ محلہ کی آبادی میں اضافہ کے خواہشمند تھے۔ اور ہم چلنے ہی کو تھا کہ دروازہ پر کسی نے آواز دی۔

"ارے مُلّاجی ہیں؟"

"کیوں؟"

"لڑکا ہوا کہ نہیں؟"

"تیری ایسی تیسی ٹھہر تو جا" یہ کہہ کر مُلّاجی حقہ چھوڑ چھاڑ کر پھاند کر دوڑے مگر توبہ کیجیے۔ وہ فلیتہ ہاتھ آتا ہے۔ بڑبڑاتے گالیاں دیتے لوٹے۔ میں نے مشورہ دیا کہ اس طرف توجہ نہ دیجئے۔ لیکن مُلّاجی نے خیال ظاہر کیا کہ اگر تدارک نہ کیا گیا تو اور بھی لوگ دق کریں گے۔

قصہ مختصر مُلّاجی کی اس ازدواجی زندگی پر رشک کرتا میں گھر چلا آیا۔

بڑی بی نمبر ۲

دفتر جانے سے قبل جب میں روٹی پکاتا تو مکان کا دروازہ بند کر لیتا تھا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ دروازہ کھولا تو معلوم ہوا کہ بڑی بی نمبر ۲ ہیں۔ کوئی چالیس برس کی عمر۔ تیور کی قدرے شائق چہرے سے استقلال سا عیاں تھا۔ غیر معمولی طور پر تندرست اور انداز سپاہیانہ ایسا کہ معلوم ہوا ابھی ڈبل مارچ کو جا رہی ہیں۔ دراصل دنیا کا کام کبھی بند نہیں رہتا۔ فلانی جی نے نکاح کر لیا تو یہ آگئیں۔

دراصل محلہ کا جنرل ریویو فرمانے آئی تھیں۔ یہ اندازہ لگانے کہ اس محلہ میں کام کاج کرنا بہتر ہوگا یا اپنی موجودہ رفتار پر قائم رہنا بہتر ہوگا اُن کے موجودہ مشاغل بقول خود اُن کے خود اس قدر منفعت بخش تھے کہ وہ محلہ میں سرے سے قدم رنجہ فرمانے ہی کے خلاف تھیں۔ مگر جس طرح مصنف لوگ لوگوں کے اصرار سے کتابیں چھپوانے پر مجبور ہو جاتے ہیں کچھ اسی طرح یہاں بھی مجبوریاں حائل تھیں۔

میں نے اپنے یہاں کام کی تفصیل سناتے ہوئے جب تنخواہ کا تصفیہ چاہا تو معاملہ پر انھوں نے اس طرح روشنی ڈالی کہ کام کام نظر آئے۔ اور رکتے رکتے

اور ڈرتے ڈرتے انھوں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ میں یہ بتا دوں کہ مُلّانی جی کو کیا دیتا تھا۔ میں آگے جا کے دس روپلی کا نوکر اور پھر معاملہ ویسے بھی سخت اہم تھا لہٰذا اس ضروری امر کو بہ صیغۂ راز رکھنا چاہا اور ایسا گول جواب دیا کہ وہ یہ سمجھیں کہ کبھی کچھ اور کبھی کچھ دیتا تھا۔ اور دیتا کیا تھا بس واحد سا معاملہ تھا لہٰذا بہتر ہے کہ اس کا ذکر ہی نہ کیا جائے۔ چنانچہ بعد رد و قدح کے بڑی بی نے اپنی خدمات کا جو معاوضہ بتایا تو میں سناٹے میں آگیا۔ ایک نہ دو اکٹھے پانچ روپیہ! درحالیکہ یہاں جملہ بجٹ کھانے پینے کا آٹھ روپے سے متجاوز ہونے کی تمنا ہی میں رہ گیا! میں نے کچھ گھبرا کر اور جھنجھلا کر ایک روپیہ مہینہ کہا اور یہ بھی بتایا کہ مُلّانی جی کو بھی یہی پہونچتا تھا تو بڑی بی نے مجھے یقین دلانا چاہا کہ ان شرائط پر مُلّانی جی ہی خدمت کر سکتی تھیں کیونکہ وہ پانچ سے زائد کی رقم بالائی طور پر اڑا لیتی ہوں گی۔ میں نے کہا کہ بڑی بی تم پانچ کے بدلے دس اڑا لینا مگر تنخواہ اس سے زائد نہیں دے سکتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ تنخواہ واقعی کم تھی مگر مجبوری تھی مجھے دفتر کو دیر ہو رہی تھی اور بڑی بی میرے یہاں کی کام کی زیادتی اور تنخواہ کی کمی کا گلہ کرتی چلی گئیں۔

مگر غرض ہے کہ مجبوریاں پھر مجبوریاں ہوتی ہیں۔ ان بڑی بی کو اس محلہ کا چارج لینا ہی پڑا۔ اور پھر میرے اوپر نظر کرم کرنی ہی پڑی۔ وہی ایک روپے مہینے پر۔

بڑی بی کو میں نے انتہا سے زیادہ خشک اور کھرا پایا۔ لیکن یہ خشکی اور کھرا پن میری مفلسی اور بیچارگی کے آگے نہ چل سکا۔ بہت جلد ان کو معلوم ہو گیا کہ میں انتہا سے زیادہ "سیدھا اور مسکین" لڑکا ہوں۔ اور جب ماہوار جمع جتھا خود ان کے ہاتھ سے گذرنے لگی تو ان کو معلوم ہو گیا کہ میرے

پاس لے دے کے ہیں تو یہی دس روپے ماہوار

مکان کی کنجی بڑی بی کے پاس رہتی تھی اور چونکہ ان کا مکان کسی دوسرے محلے میں تھا لہٰذا فاصلے کے سبب دوپہر کو میرے ہی مکان میں دم لیتی تھیں اس طرح رفتہ رفتہ انھوں نے میرا گھر اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ جس کے سلسلے میں میں نے دیکھا کہ مختلف سائز کی چند پوٹلیاں مستقل طور پر رہنے لگیں۔ پھر دو چار چھوٹی چھوٹی مٹکیوں اور ہنڈلیوں کا اضافہ ہوا۔ ان پوٹلیوں اور مٹکیوں میں ہلدی دھنیہ قسم کی چیزیں رہتی تھیں۔ بڑی بی محلے والیوں کا سودا لاکر پہلے یہاں آتیں اور پھر جاکر سب کو تقسیم کر دیتیں۔ واللہ اعلم کیا حساب تھا بازار سے لائے ہوئے سودے میں سے کبھی کچھ نکال کر ان پوٹلیوں اور مٹکیوں میں جاتا تھا اور کبھی ان میں سے لیکر اضافہ کیا جاتا تھا۔ پھر فرداً فرداً ناپ تول کر حساب ہوتا تھا کہ منگانے والوں کو سمجھایا جا سکے کہ کس طرح سے کتنے وزن کی کتنی چیز ہے۔ مجھے اندازاً ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یا تو بڑی بی ہر سودے میں سے کچھ ٹیکس لے کر جمع کرتی جاتی ہیں اور پھر کسی خریدار کو فروخت کر دیتی ہیں یا پھر خود مال لاکر تجارت کرتی ہیں۔ کچھ بھی ہو اس سلسلے میں کم از کم چٹنی کے لوازمات بڑی بی نے میرے لئے بالکل فری کر دیئے تھے۔

مجھ سے حلف لے لیجئے کہ میں نے ان مٹکیوں یا پوٹلیوں میں سے کبھی کوئی چیز نہیں چرائی اور بڑی بی نے بھی جب دیکھ لیا کہ اطمینان ہے تو ہیڈ کوارٹر کے سامان میں اور بھی اضافہ ہونے لگا

بڑی بی واقعی "مستعد جنگ" اور محنتی تھیں۔ جس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ سلیپر وہ نہیں پہنتی تھیں بلکہ ہندوستانی جوتہ بغیر ایڑی

چپٹے کٹے پہنتی تھیں۔ اور بڑی تیزی سے ایک سولجر کی طرح چلتی تھیں۔ دوا دوش کے معاملہ میں پنولین سے کم نہ تھیں۔ بس دن بھر بھاگتے دیکھ لیجئے۔ نتیجہ یہ کہ بہت جلد سارے محلے کی "ضرورت" بن کر رہ گئیں۔ مستقل طور پر اُن کو دوپہر جانا بند کرنا پڑا۔ اور ہیڈکوارٹر پر رہنے لگیں۔ کھانا وہ یا تو دوسری جگہ سے جھپٹ لیتیں ورنہ بصورت دیگر میرے کھانے کے ساتھ "ایک دو روٹیاں" اپنی بھی ڈال لیتیں۔

بہت جلد میں نے دیکھا کہ میرے مکان پر وہ ضرورت سے زیادہ قابض ہو گئیں۔ جگہ الگ گھیر لی اور پھر حملہ مکر وہات کے علاوہ سب سے زیادہ قابل اعتراض بات جو تھی وہ یہ کہ اکثر محلے کی دوسری بوڑھیاں تضیع اوقات کے سلسلے میں جو آتیں تو خواہ مخواہ بٹھائی جاتیں۔ اور میری چارپائی سے ڈرائنگ روم کا کام لیا جاتا۔ ایسی لغو باتیں ہوتیں کہ بعض اوقات میں اٹھ کر ہی چلا جاتا۔ ورنہ میری آزادی میں، تو بالکل ہی رخنہ پڑ گیا تھا۔ جب دیکھئے کوئی بڑی بی کو پوچھتا چلا آ رہا ہے کوئی دو پیسے دے گیا کہ بڑی بی آئیں تو اُن کو دیدینا کہ ہلدی منگائی ہے۔ مگر میں نے یہ سب کچھ اس وجہ سے برداشت کیا کہ بڑی بی اب مجھ سے بڑے خلوص سے پیش آنے لگی تھیں۔ اور وہ جانتی تھیں کہ میرے غریب خانہ کو ہیڈکوارٹر بنا کر انھوں نے میرے اوپر گونہ کرم فرمایا ہے

ڈاکہ

بڑی بی کو ڈاکوؤں اور چوروں سے بہت ڈر لگتا تھا۔ چنانچہ اکثر ڈاکوؤں اور چوروں کے خصائل کے تذکرے ہوتے تھے۔ رواداری میں مجھ سے بھی فرمائش ہوتی تھی کہ اُن سے ڈروں اور سہموں۔ یا نہ سہی کم از کم برا بھلا ہی کہوں۔ مگر جناب یہاں تو وہ مضمون تھا ع۔ رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو۔ بھلا خود سوچیے کہ میں چوروں یا ڈاکوؤں سے کیوں ڈرتا مجھ کو دراصل قطعی معلوم نہ تھا کہ بڑی بی کے پاس چوروں وغیرہ سے ڈرنے کے وجوہات موجود ہیں اتنا تو معلوم تھا کہ جس مکان میں بڑی بی رہتی ہیں وہ خود انھی کا ہے مگر اس پر کبھی غور نہ کیا تھا کہ سپاہیانہ زندگی کی کمائی آخر کہاں گئی، چاندی کا زیور ہاتھوں میں اور کان میں اور گلے میں تھا مگر صرف بقدر ضرورت اتنا کہ صرف حسن میں اضافہ کر سکے اور بس۔

رات کا چلتے وقت کا بڑی بی کا ہمیشہ کا دستور تھا کہ ہوشیاری سے سونے کی بلا ناغہ تاکید کرتیں۔ جب تک دروازہ بند نہ کر لیتا نہ جاتیں اگر باہر کسی کے ہاں بیٹھا ہوں تو مکان بند کر کے کنجی مجھے دیتیں، مگر کسی

طرح نہ ٹلتیں۔ نتیجہ یہ کہ میں اٹھتا تو مکان پر ساتھ واپس آتیں اور دروازہ بند کر لیتا جب جاتیں۔ مجھے ان کی یہ حرکت بعض اوقات سخت ناگوار گزرتی میں تو بیٹھا محلہ میں کسی سے باتیں کر رہا ہوں اور یہ ہیں کہ وہیں سامنے مجسم تقاضہ بنی کھڑی ہیں۔ گو نہ کہیں زبان سے مگر نہ باتی تقاضہ سے مجسم تقاضہ بن جانا زیادہ سخت ہوتا ہے میں نے اکثر شکایت کی تو یہی کہا کہ میں تقاضہ تو نہیں کرتی۔

معاملات اسی رفتار پر تھے۔ جاڑوں کے دن تھے کہ ایک دن حسب معمول بڑی بی نہ آئیں۔ محلے کے چھوکروں اور بڑی بی کے متلاشیوں کا گھر پر تانتا بندھ گیا۔ جسے دیکھو پوچھنے چلا آتا ہے۔ بھر ماننا نہیں اور وجہ پوچھتا ہے کئی ایک سے میں نے برہم ہو کر بھی کہا۔ کھانا بھی خود ہی پکایا اور بڑی بی کی اس غیر معمولی غیر حاضری کا سبب کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ بیمار پڑنے سے خدا کے فضل سے کوئی تعلق ہی نہ رکھتی تھیں اور شام کو جب گئیں تو بھلی چنگی تھیں اور اگر کسی ضرورت سے رک گئی ہوتیں تو کم از کم کہہ تو جاتیں۔

دفتر سے واپسی پر معلوم ہوا کہ بڑی بی کے گھر سخت ڈاکہ پڑا۔ رات کو ڈاکو گھر میں گھس پڑے۔ سارا مال و اسباب لوٹ لیا اور قتل کرتے کرتے چھوڑا نتیجہ یہ کہ ڈاکہ کی پولیس تحقیقات کر رہی ہے اور خود بڑی بی ہسپتال میں جاں بلب ہیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ کوئی کہتا کہ ہزاروں روپیہ کا مال لوٹ لے گئے۔ کوئی بڑی بی کی امارت پر حیرت کر رہا تھا۔ کوئی چشم دید حالات بیان کرتا تھا کہ گھر میں جگہ جگہ سے چور دفینہ کھود لے گئے۔

شام کو بڑی بی کو دیکھنے گیا اور حقیقت معلوم ہوئی۔ سخت "سپائیت" کا عالم طاری تھا۔ رات کو دیوار پھاند کر تین چور مکان میں داخل ہوئے۔ بڑی بی

کے ساتھ پشت کی طرف مڑوڑ کے کھینچا۔ بلکہ سارے جسم کو دوہرا کرنے کی کوشش کی اور اس تکلیف دہ عمل کو بار بار اس طرح دہرایا کہ سارے ہاڑ ن کی رگیں نہ معلوم کس کس طرف سے کھنچ گئیں۔ کمر ٹوٹ گئی۔ دونوں پیروں کے پنجوں میں موچ آگئی کولھا اتر گیا۔ گھٹنے ٹوٹ گئے۔ اور ایک فاضل گھٹنا ران میں نیا قائم ہو گیا۔ یہی کرتب کم وبیش ہاتھوں کے ذریعہ بڑی بی سے کرائے گئے اور بازوؤں میں اور کلائی میں نئی کہنیاں قائم کرنے کی سعی بلیغ کی گئی۔ مگر باوجود اس قسم کی میٹھی زدوکوب کے بڑی بی نے یہ نہ بتایا کہ زیور یا روپیہ کہاں گڑا ہے۔ وجہ صاف تھی کچھ تھا ہی نہیں۔ بیچاری بتائیں کیا خاک۔ چنانچہ چوروں نے پھر خود ہی اندازہ لگا لگا کر جگہ بہ جگہ زمین کھود دی۔ دیواریں اور طاق کھود سے مگر وہاں ہوتا تو کچھ ملتا۔ تنگ آکر صرف اسی دس بیس روپے قیمتی زیور پر اکتفا کی جو وہ زیب تن کئے ہوئے تھیں۔ دو چار برتن جو ہاتھ لگے لے گئے اور بڑی بی کو دو ڈھائی انچ کے آدھ مرا کر کے چھوڑ گئے۔ مگر یہ چور کون تھے؟ بڑی بی کے دور رشتہ کے بھتیجے کے یار دوست جو دن رات بڑی بی سے خوامخواہ روپیہ پیسہ مانگا کرتا تھا۔ کبھی کہتا کہ مکان لکھ دو۔ یہ اسی نے اپنے دوستوں کو سکھا پڑھا کر بھیجا تھا۔ چلتے وقت چور بشرط فرصت بڑی بی سے قتل کرنے کا بھی وعدہ کر گئے تھے، چور اپنا منہ چھپائے ہوئے تھے اور آوازیں بدلی ہوئی تھیں۔ لہٰذا شناخت کا سوال ہی نہ تھا۔ بھتیجے کو پولیس نے شبہ میں جو پکڑا تو وہ بے خطا ثابت ہوا اور رہا پیا جو ہی تو خود بڑی بی نے اپنا شبہ واپس لیکر دوسری طرف منتقل کر دیا کیونکہ ان کے محلہ میں دو تین غنڈے اور بھی تھے جو ان پر خوامخواہ موٹی اسامی کا آوازہ کستے تھے۔

مجھے بڑی بی نے ہدایت کی اور خدا کے واسطے دیئے کہ جب تک وہ بیمار ہیں میں رات کو ان کے مکان پر جا کر سویا کروں۔ میں نے اوّل تو ٹالنا چاہا مگر جب اُنھوں نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کہ "میرا کوئی نہیں ہے" تو مجھے رحم آگیا اور سوچا کہ بڑھیا میری خدمت کرتی ہے لاؤ اس کا کام بھی کر دوں۔

بڑی بی کے گھر میں جو کچھ بھی مختصر سا سامان تھا وہ کوٹھری میں خود مقفل کر گئی تھیں۔ صرف چارپائی باہر تھی اور میں سمجھنے سے قطعی قاصر رہا کہ پھر آخر اس چوکیداری کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن میں نے چونکہ وعدہ کر لیا تھا لہٰذا رات کو جا کر وہیں پڑ رہتا تھا۔ اور شاید اسی خدمت کے سلسلہ میں ایک اور عادت بڑی بی سے میرا تعارف کرا دیا گیا۔ جو مجھے بڑی پابندی سے پکا پکایا کھانا پہونچا دیتی تھیں۔ درحالیکہ کھانے کی خوبی مجھ سے روز یہی کہتی تھی کہ بچہ یہ تر مال تمہیں اسی خدمت کے سلسلے میں تو مل رہے ہیں۔

جب تک بڑی بی ہسپتال میں رہیں میں دوسرے تیسرے دیکھنے اُن کو جاتا رہا ایک پندرہ روز میں وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں بلکہ اتنے دن طبیعت کو سکون اور آرام جو ملا تو چہرہ پر رونق آگئی۔ جس روز وہ ہسپتال سے آئیں میرے یہاں قیام پذیر ہوئیں اور اس قدر گھبرائی ہوئی تھیں کہ اپنے گھر میں کسی طرح رہنے کی روادار نہ تھیں۔ چنانچہ اب میرے گوشۂ عافیت کو رشک ارم بنانے کے شرائط مجھ سے پوچھے۔

بھلا غور کیجئے گا میرے پاس کیا شرائط تھے۔ جو کچھ بھی وہ کہیں مجھے منظور تھا بشرطیکہ وہ میرے ساتھ نہ رہیں۔ چنانچہ میں نے قدرے تکلف کے ساتھ عذر کر دیا۔ لیکن بڑی بی نہ مانیں اور مجھے طرح طرح کے فوائد بتائے۔ مثلاً یہ کہ چلو بھئی کھانا پکانے میں لکڑیاں اُن کے ذمے۔ نمک بھی سہی۔ مگر

میں انکار ہی کئے چلا گیا۔ حتیٰ کہ شرائط اس منزل کو پہونچیں کہ بے تنخواہ کے مجھے روٹی بچی پکائی ملے گی۔ صرف آٹے کے دام دینا پڑیں گے اور مکان کا آدھا کرایہ اور بڑی بی کی خادمت اور چاکری رہی سو علٰحدہ۔

اب صاف بات یہ ہے کہ میں نے جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ بڑی بی چوروں کے ڈر کے مارے اب اکیلی تو رہنے سے رہیں اور یہ بھی سوچا کہ ان کو ان شرائط پر کوئی دوسرا بہ آسانی مل جائے گا۔ لیکن مجھے شاید یہ شرائط نہ ملیں لہذا جب میں نے دیکھا کہ یہ دو روپیہ مہینہ کے خرچ میں سب کچھ ہاتھ آتا ہے تو راضی ہو گیا۔ دوسرے ہی روز بڑی بی نے اپنے مکان کو کرایہ پر اٹھا دیا۔ اور جو کچھ بھی وہاں سامان تھا اٹھا لائیں۔ سامان کل کا کل اس قسم کا تھا کہ قریب قریب ایک چوتھائی کے تو چھوڑا جا سکتا تھا اور بقیہ کو پھینک دینے میں صرف دو پیسے خرچ ہوتے۔ علاوہ دو ایک چیزوں کے جن میں سے ایک دری تھی جو شاید خود دری کے موجد کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھی اور ایک جاجم جو محکمۂ آثار قدیمہ کے کسی جلسے کے شامیانے کے لئے غالباً نہایت موزوں ہوتی۔

بڑی بی نے مکان کو اپنی اصطلاح میں جب آراستہ پیراستہ کر لیا تو خود فرمایا کہ دلہن کی طرح سج گیا ہے۔ ایک کوٹھری کو کمرہ کا لقب دیکر اس میں ایک چٹائی کا فرش بچھا کر اس پر دری بچھائی گئی اور اس پر جاجم بچھا دی گئی اور اس کو بڑی بی نے نہایت ہی تمیز سے اپنا ڈرائنگ روم بنایا۔ بقیہ مکان کے عروسانہ ٹھاٹ کے بارے میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ دفتر جانے سے پہلے اور آنے کے بعد گو میں عموماً گھر کے باہر کسی پڑوسی کے ڈیسلے یا سہارے بیٹھا رہنا زیادہ بہتر خیال کرتا تھا اور گھر اندر گھر کے

آئندہ ورود سے بھی حتی الوسع علیحدہ رہنا چاہتا تھا لیکن یہ تبدیلی میرے لئے نہایت آرام دہ اور ارزاں ثابت ہوئی ہے میں نے بڑی بی کو انتہا سے زیادہ فراخدل اور منکسر المزاج پایا۔ اور میں دیکھتا تھا کہ وہ کس طرح میرے کھانے پینے اور آرام کا خیال رکھتی تھیں۔

عشق

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے عشق کے کوچہ سے اتنا ہی واقف تھا جتنا کہ یونیورسٹی سے ایک بیل۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ مفلسی اور عاشقی کا بھلا کیا ساتھ۔ میں نے ہوش سنبھالا تو مفلسی کے آغوش میں۔ آپ کہیں گے کہ باوجود اس کے لازمی نہیں کہ میں عشق سے سروکار ہی نہ رکھوں۔ مجھ کو یہ تسلیم ہے لیکن اس کے یہ معنی بھی تو نہیں ہو سکتے۔ کہ خیر سے یہ بڑی بی اس خادم پر چپکے ہی چپکے عاشق ہو جائیں! یہ واقعہ تھا کہ بڑی بی مجھ پر عاشق ہو چکی تھیں درحالیکہ میں اس معاملہ سے قطعی بے خبر تھا۔

رفتہ رفتہ بڑی بی کی عنایات میرے اوپر اور زیادہ ہونے لگیں اسکی ابتداء عمدہ قسم کے کھانوں سے ہوئی۔ میرے آرام کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ ہونے لگی۔ میں یہ کہنا بھول گیا کہ میری خوراکچی بڑی بی دو ماہ بعد ہی بن گئی تھیں۔ اکثر اخراجات گو چند پیسوں کے تھے مگر جو حساب میں ڈالے جانے چاہئیں تھے وہ نہیں ڈالے گئے۔ کبھی کبھار مٹھائی بھی کھانے میں آنے لگی۔ مجھ کمبخت کو کیا معلوم کہ یہ محض میرے لئے ہے میں نے دیکھا کہ مجھے جو کھانا مل رہا ہے اس کی لاگت قطعی آٹھ روپیہ کے لگ بھگ ہو گی پھر دوسری سہولتیں اور آرام جو مہیا تھا اس کو بھی

میں نے دیکھا اور محسوس کیا۔ ظاہر ہے کہ میرے دل میں ان احساسات کے سبب بڑی بی کے لئے کتنی جگہ تھی۔ مگر حماقت کہئے کہ میں اب بھی کچھ نہ سمجھا۔ مجھے شبہ تک نہ گیا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ حد ہو گئی کہ میں نے یہ تک نہ دیکھا کہ بڑی بی رفتہ رفتہ سپاہیانہ روش اور سج دھج کو چھوڑ کر سویلین ہوتی جا رہی ہیں۔ رکھ رکھاؤ لباس اور رہائش ہر چیز میں فرق تھا۔ قاعدے سے سرمہ لگتا اور کنگھی چوٹی سے ہمیشہ درست رہتیں۔

اتفاقاً اسی زمانہ میں میں بیمار پڑ گیا۔ کوئی ڈیڑھ ہفتہ بخار میں پڑا رہا۔ بڑی بی نے میری جو کچھ بھی خدمت کی ہے اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ اگر یہ نہ ہوتیں تب کیا ہوتا۔ کون تو مجھے کھانا دیتا اور کون دوا دیتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس بیماری میں بڑی بی نے میری کیسی خدمت کی ہے۔ گھنٹوں میرا سر دابا۔ دن میں دس دفعہ حکیم کے یہاں سے دوا لانا۔ دوا اور پرہیزی غذا وقت سے دینا۔ محلے کے ضروری کاموں پر انھوں نے خاک ڈالی رات ہو کہ دن جب میری آنکھ کھلی میں نے نہ اُن کو صرف موجود پایا بلکہ فوراً دوڑ کے پٹی کے پاس جھک کر پوچھتیں اور اگر کوئی ضرورت ہو تو فوراً پوری کرتیں۔ انتہا یہ کہ جب میں فادے اچھا ہوا تو ان کے احسانات کا خیال کرتے ہی میں نے ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں سے دبا کر سچے دل سے ان کا شکریہ ادا کیا۔ ایسا کہ میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے بڑی بی خود بیتاب ہو گئیں اور انھوں نے مجھے سچ مچ پہلی دفعہ میری گردن میں ہاتھ ڈال کر اپنے کلیجہ سے لگا لیا اور مجھے یقین دلایا کہ وہ اسی طرح ہمیشہ میری خدمت کرتی رہیں گی اچھی طرح مجھے چمکارا اور محبت سے اپنے کھردرے ہاتھوں سے میرے رخسار پر آنسو پونچھ دیئے اور دلاسہ دیتی رہیں۔ دراصل اس چھوٹے سے سین نے مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ اور وہ بڑی دیر تک آنکھیں بند کئے اس فرشتہ سیرت عورت

کی محبت اور خدمت کو اپنے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر دل ہی دل میں اس کا شکر گزار ہوتا رہا۔ مگر یہ مجھ کو اب بھی نہیں معلوم تھا کہ بڑی بی کس راستہ جا رہی ہیں۔ اگر مجھ کو ذرا بھی تجربہ ہوتا تو کم از کم شبہ تو دل میں ضرور ہوتا مگر ہوتا کیسے وہ تو میری ماں کی ہم عمر ہوں گی اور میں تو یہی سمجھتا کہ اس حسن سلوک کو سوائے شفقت مادرانہ کے اور کس سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔

اس بیماری کے بعد میری طرف سے یہ ہوا کہ بڑی بی کا اس درجہ خیال رہنے لگا کہ جو باتیں ان کو ناپسند تھیں وہ چھوڑ دیں۔ مثلاً ان کو یہ بات پسند نہ تھی کہ میں رات گئے تک مسجد کے چبوترے پر بیٹھا گپیں ٹھونکتا رہوں۔ یا کھانے کے اوقات میں ان کی مرضی کے خلاف کروں۔ میرے پاس اس کے سوا دوسرا ذریعہ ہی کیا تھا جو ان کے احسانات سے سبکدوش ہوتا۔ یہی سوچا کہ لاؤ بھی ہمارا کیا نقصان ہے۔ جیسے یہ کہتی ہیں ویسے ہی کر دو۔

اس بیماری کے کوئی دو مہینے بعد کا ذکر ہے کہ رات کا وقت تھا اور ہم دونوں حسب معمول اپنی اپنی چارپائیوں پر لیٹے باتیں کر رہے تھے۔ میری تنخواہ میں دو روپے کا اضافہ ہوا تھا۔ پھر میں نے یہ ذکر چھیڑا کہ میں کھانے کے سلسلے میں زائد دینا چاہتا ہوں۔ یہ بات بڑی بی نے باوجود اصرار کے نامنظور کر دی اور بطور اتمام حجت یہ کہہ دیا کہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ بھی میرا ہی ہے اور پھر ٹیپ کا بند۔ "میرے کون بیٹھا ہے۔ میں بھی تمہاری ہی ہوں۔"

میں نے ان کی محبت کا شکریہ ادا کیا تو بڑی بی نے چارپائی پر کروٹ لی اور اٹھ کر کہنے لگیں۔ "کیوں جی یہ میری محبت اور خدمت کا خالی زبانی شکریہ ہے یا دل سے بھی کچھ ہے؟"

میں نے کہا۔ "بھلا کیسے یقین دلاؤں؟"

بڑی بی اُٹھ کر میرے پلنگ کے قریب آکر زمین پر بیٹھ گئیں اور مسکرا کر بولیں: "کیسے یقین دلاؤں؟"

میں نے کہا۔ "ہاں"

وہ بولیں: "ایسے کہ جیسے میں نے کہا"

"کیا؟"

"جس طرح میں تمہاری ہوگئی ہوں اسی طرح تم میرے ہو جاؤ"

بڑی بی کا یہ جملہ ایک کھٹکے کی طرح گرا۔ میں گویا چونک پڑا۔ ایک دم سے شروع سے لیکر آج تک کے واقعات پر سے گویا پردہ ہٹ گیا۔ اپنی غفلت پہ تعجب ہوا۔ میں چپ کا چپ ہو کر رہ گیا۔ ہائے مفلسی و مجبوری ایک رذیل عورت ایک سید پر یوں کیچڑ اچھالے! اور وہ سہہ لے۔ بڑی بی نے میرا ہاتھ پکڑ کر ہلایا اور کہا۔ "کیوں..... بولتے نہیں۔ میرے اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میں تمہاری ہو چکی ہوں آٹھ سو روپیہ کی قیمت کا یہ امکان ہے۔ قریب ہزار روپیہ میری محنت کی کمائی کا نقد ہے۔ یہ سب تمہارا ہے۔ عمر بھر اسی طرح تمہاری خدمت کرتی رہوں گی....... ؟"

میں نے بولنے کی کوشش کی مگر بولا نہ گیا۔ بھلا اس حماقت کا جواب ہی کیا ہو سکتا تھا سوائے اس کے کہ اگر ایک لفظ بھی اور کہا گیا تو میں پاگل ہو جاؤں گا

جب میں کچھ نہ بولا تو وہ پھر بولیں:۔

میں جانتی ہوں میرا تمہارا جوڑ نہیں۔ ایک زمانہ ہنسے گا۔ تم سے زیادہ میری جگ ہنسائی ہوگی۔ تم سے زیادہ میں خوار ہوں گی اور تم پھر نا سمجھ ہو دنیا کا ہی کچھ تجربہ؟ مجھ کو الّو بنا لیا۔ لہٰذا تم خوب اچھی طرح سوچ لو مہینے دو مہینے چار چھ مہینے خوب سوچ لو۔ جلدی نہیں ہے یہ کام سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے۔ اگر تمہیں

یہ بات منظور نہیں تو بھی کوئی ہرج نہیں جیسے رہتے ہو رہو مجھے تم سے ویسے کیا کم سہارا ہے؟"

میں پھر بھی کچھ نہ بولا اور چپکا پڑا سنتا رہا۔ اس بات کو صیغہ راز میں رکھنے کے لئے انہوں نے کہا۔ "مگر کسی سے ذکر نہ کرنا۔" اور یہ کہہ کر اپنے پلنگ پر جا کر لیٹ رہیں۔

بڑی دیر تک میں خاموش پڑا رہا۔ میں نے تصفیہ کر لیا کہ جلد یہاں سے علیحدہ ہو جانا چاہیے۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کس طرح اس وبال سے چھٹکارا حاصل کروں۔ طبیعت پر سخت خلجان تھا۔ دراصل اپنی شرافت آڑے آرہی تھی۔ رہ رہ کر یہی خیال ہوتا تھا کہ اس غریب نے میرے اوپر وہ احسان کئے ہیں جن کا میں کوئی بدلہ نہیں دے سکا۔ ایک دفعہ خیال آیا کہ بہتر ہے جو کچھ بھی روپیہ میرا بڑی بی کے پاس جمع ہے وہ ان کی خدمت کا معاوضہ کر کے سبکدوش ہو جاؤں، مگر فوراً پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو ٹھیک ہے مگر بندۂ خدا پھر آگے کو کیسے گزرے گی۔ رہنے سہنے اور کھانے کا انتظام! بیشک ایسا آرام تو کیا نصیب ہوگا۔ مگر مجبوری ہے۔

قصہ کو اس طرح مختصر کرتا ہوں۔ چار پانچ روز بعد میں نے تنہائی میں بڑی بی کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ میں مجبور ہوں اور تم نے جو میرے اوپر احسان کئے وہ عمر بھر نہ بھولوں گا۔ مگر مجھے معاف کرو اور بہتر ہے کہ میں اب دوسری جگہ جا کر رہوں اور کسی طرح اب زیادہ احسان نہیں لینا چاہتا اور میرے پچاس ساٹھ روپے جو تمہارے پاس ہیں تم کو دیتا ہوں۔

میں یہ سمجھتا تھا کہ بڑی بی کچھ لیلیٰ مجنوں والی حرکتیں کریں گی مگر انہوں نے میرا فیصلہ بڑی متانت سے سنا۔ صرف اتنا کہا: "میری تقدیر" اور بڑی خوشی

سے مجھے اپنے فیصلے پر قائم رہنے کی اجازت دی۔ مگر روپیہ لینے پر رضامند نہ ہوئیں اور نہ اس پر رضامند ہوئیں کہ میں گھر چھوڑ دوں۔ مجھے سمجھایا کہ سخت تکلیف ہوگی۔ ایسا ہی ہے تو کھانے کا واجبی دینے لگوں جس کو لینے کے لئے وہ بخوشی تیار ہو گئیں۔ مگر میں نہ مانا تو آخری تجویز انھوں نے جو کی وہ مجھے ماننا پڑی کہ میں ان کو پانچ روپئے مہینے دیا کروں گا۔ اور وہ مجھے کھانا پکا پکایا وقت سے پہنچا دیا کریں گی۔ اور یہ کہ مجھے کوئی بھی تکلیف ہوگی تو میں فوراً اُن سے ظاہر کر دوں گا۔

چنانچہ اس تصفیہ کے ساتھ دو روز بعد میں نے اس محلہ اور گھر کو خیرباد کہا۔ ڈیڑھ روپیہ مہینے کا ایک مکان مل گیا۔ اور میں دوسرے محلے میں جا بسا چلتے وقت میں نے دیکھا کہ بڑی بی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ میرے دل پر بھی کافی اثر تھا مگر میں اس طرح جا رہا تھا جیسے کسی آفت سے جان چھوٹی۔

نئی جگہ پہنچ کر گو مجھے تکلیف تھی۔ یعنی وہ آرام نہ تھا جو بڑی بی کے یہاں میسر تھا مگر دل کو بڑی تسکین اور چونکہ آگے جا کر پھر یا بو تھا۔ لہٰذا اسا نفہ حالت میں جو ایک قسم کی سُبکی محسوس کرتا رہتا تھا اس سے بھی نجات ملی اور اب میں بھی اس قابل تھا کہ کسی ہم عمر ملنے جلنے والے کو اپنے گھر کا پتہ دے سکوں بڑی بی نے دو وقتہ پابندی کے ساتھ کھانا لانا شروع کر دیا مگر سچ کہتا ہوں کہ مجھے یہ بھی گوارا نہ تھا اور جس روز ایک دوسری بڑھیا کھانا لاتی تو مجھے سکون ملتا۔ یہ دوسری بڑھیا اب بڑی بی کے ساتھ ہی رہنے لگی تھی دراصل بڑی بی نے رفتہ رفتہ کچھ دوکان کا سا ڈول ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ تنگرا درچھالیا اور اسی قسم کی مکروہات وہ روپیہ روپیہ کی لے آتی تھیں اور روز کے دو دو پیسے کے خریداروں کو وہ بازار بھاؤ دیتی تھیں۔ اس سے ان کی دوڑ کی دوڑ پک جاتی اور

کام کا کام ہو جاتا۔ مگر جب میں آیا ہوں تو یہ باتیں صیغۂ راز ہی میں تھیں۔ کیونکہ اُن کی عادت تھی کہ کسی کی منگائی چیز کسی کو دیدی۔ اور اسے پھر لادی، لہٰذا لوگ یہی سمجھتے کہ کسی اور کے سودے میں سے دیدی ہیں اور پھر اس کا پورا کر دیں گی لہٰذا لوگ گھر آکر ہی لے جاتے تھے اور میں دیکھ رہا تھا کہ خاصی اچھی دکانداری کی داغ بیل ڈالی جا رہی ہے۔

اس بات کو بمشکل مہینہ بھر بھی نہ ہوا ہوگا کہ مختصر زندگی میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔

نوعمر بیوہ

رات کے کوئی دو بجے ہوں گے سب مسافر سو رہے تھے یا اونگھ رہے تھے جاڑے کا زمانہ تھا اور جگہ کی قلت کے سبب ایک کونے میں بیٹھا میں بھی سکڑ رہا تھا۔ ریل ایک رفتار سے جنگل کی چھاتی لیٹتی، دندناتی، بل کھاتی چیختی، چنگھاڑتی چلی جا رہی تھی میری پشت کی طرف لکڑی کی پردہ کی دیوار تھی۔ جس کو قائم کر کے دو نشستیں علیحدہ کر کے ایک چھوٹا سا درجہ قائم کر دیا گیا تھا۔ اس میں سے اس وقت عورتوں کے ہنسنے بولنے کی آواز آ رہی تھی کچھ تو اس وجہ سے کہ یہ پردہ کی دیوار صرف قد آدم اونچی تھی۔ اور بقیہ دیوار لوہے کی جالی کی تھی اور پھر یہ کہ میں کھڑکی سے ملا بیٹھا تھا اور کھڑکی سے کھڑکی ملی ہوئی تھی۔ اس حصے میں جانے کا دروازہ بھی بہت قریب ہی تھا۔

میں نے ایک جھرجھری لی۔ نیند کی تکلیف ناقابل برداشت ہو چکی تھی اور حال یہ کہ اونگھنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ ایک موذی مسافر ہر دس منٹ بعد غفلت میں اپنی ٹانگیں پھیلانے کی کوشش میں دو ایک لاتیں مار دیتا تھا۔ بدرجہ مجبوری میں نے اب یہ کیا کہ اسباب رکھنے کی اوپر کی تنگ و تکلیف دہ جگہ پر سونے کی ٹھہرائی۔ اٹھ کر میں نے کمبل اس پر رکھا اور اپنا اوورکوٹ

ہمہ تن کر بنچ کے تکیہ پر پیر رکھ کر اوپر چڑھ گیا اور اس تنگ جگہ میں آدھا کمبل اوڑھ کر اور آدھے کا تکیہ بنا کر گٹھڑی مڑی بن کر سمٹ رہا۔ لیکن میں نے سامنے جو نظر کی تو برابر والے زنانے درجہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ نظروں کے بالکل سامنے ایک خوبصورت لڑکی کا چہرہ ہے۔ اودے رنگ کی سرخ گوٹ کی ایک رضائی اوڑھے کونے سے لگی بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ دراصل ساتھ والی سے باتیں کر رہی تھی۔ باتیں سنائی نہیں دیں۔ میں نے یہ دیکھ کر اپنا سر لپیٹ لیا مگر اس طرح پر کہ آنکھ کے گوشے سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ آہستہ سے میں ذرا اور اوپر کو سرکا تو اور قریب ہو گیا اور آدھے سے زیادہ اس درجے کا حصہ سامنے آ گیا۔ دو عورتیں تھیں دراصل دونوں کی دونوں باتوں میں منہمک تھیں، بہ ظاہر کچھ ہنسی مذاق کی باتیں ہو رہی تھیں باوجودیکہ فاصلہ کچھ بھی نہ تھا مگر ریل کی گھڑگھڑاہٹ کے سبب کچھ نہ سن سکا میں غور سے اس نوجوان عورت کے خوشنما چہرے کو دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی اور بجلی کی روشنی میں اس کا نوجوان اور خوبصورت چہرہ اودی رضائی میں لپٹا عجیب منظر پیش کر رہا تھا بالخصوص جبکہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ یا ہنسی کے سبب شگفتگی آتی تھی یا کبھی آنکھوں کے جھپکانے کے ساتھ چہرے پر ایک ہلکی سی لرزش پیدا ہو جاتی تھی اور میں اس منظر کو غور سے دیکھ رہا تھا کہ گاڑی کی رفتار ہلکی ہوئی اور رک گئی۔

گاڑی کی رفتار کے ساتھ ہی اس نے اپنی آواز ہلکی کر دی۔ مگر میں چونکہ بہت ہی قریب تھا۔ لہٰذا اب میں نے گفتگو سنی۔ ڈبے کے مسافروں نے ایک پھریری سی لی اور دوسرے مسافروں کی باتوں اور ریلوے والوں کی چیقلش

سے معلوم ہوا کہ ایک گاڑی آرہی ہے اور یہاں میل ہو گا۔ یہ کوئی غیر معروف چھوٹا سا اسٹیشن تھا۔ گاڑی میں پھر خاموشی ہو گئی اور میں نے کان لگا کر ان دونوں عورتوں کی باتوں کو سُنا وہ بہت آہستہ آہستہ بول رہی تھیں۔ دوسری عورت کی رضائی کا ایک حصّہ مجھے نظر آتا تھا اُس نے کہا۔

"مصیبت تو میری ہے۔ تیرا کیا ہے۔ کوئی دیکھے تو یہی کہے کہ ابھی کنواری ہے کسی طرف سے بیوہ نہیں معلوم ہوتی۔"

وہ بولی "توبہ کرو بہن۔ بیوا کو کون پوچھتا ہے۔ پھر ہمارے یہاں بیوہ کی شادی ویسے نہیں ہوتی۔ مجھ سے بھی کم عمر کی بیوا بیٹھی ہیں۔ ایک سے ایک خوبصورت۔"

"پھر شادی کیوں نہیں کرتیں؟"

"برادری کی ریت ہی یہی ہے۔ نہ کوئی پیغام دے اور نہ کرے"

وہ بولی "یہ تو بڑا ظلم ہے۔"

اس نے کہا۔ "چاہے جو سمجھو۔ کوئی پیغام ہی نہیں دیتا۔"

کیا تم اسے پسند کرتی ہو؟ یہ صورت، یہ سہانی شکل، اور یہ عمر، کیا تم پسند کرتی ہو کہ بقیہ عمر یوں ہی بسر کردو گی۔ سچ کہتی ہوں ہزاروں میں ایک صورت دی ہے تمہیں خدا نے۔ کوئی بھی جوان تم کو دیکھے تو خوشی خوشی تمہارے ساتھ نکاح کر لے سو کنواریوں کو چھوڑ کر تمہیں پسند کرے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "پسند کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ شادی ناممکن ہے باپ بھائی بھلا مانیں گے۔ ناک کٹ جائے برادری میں۔"

وہ بولی۔ "اور میں تمہاری جگہ ہوتی۔۔۔۔۔۔"

"تب؟ تب کیا کرتیں؟"

"کچھ بھی نہیں،" اس نے خاموشی سے جواب دیا "کرتی کچھ بھی نہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ باپ اور بھائی کچھ اعتراض نہ کرتے نہ تمہارے آل نہ اولاد۔ تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ آٹھ مہینے کی بیاہی بیوہ ہو گئیں۔ میرا تو یہی مشورہ ہے کہ اگر کبھی موقعہ آئے تو تم ضرور نکاح کر لینا۔ ورنہ مجھے دیکھو میری عمر نکل گئی نتیجہ یہ کہ وہی چاہنے والے ماں باپ اور بھائی جو تازہ زخم ہونے کے سبب میرے ساتھ خون کے آنسو روتے تھے عبرت ہے کہ وہی اب نہ کہیں زبان سے نہ بات اور ہے۔ لیکن واقعہ ہے کہ ایک بوجھ سمجھتے ہیں۔ بھاوجوں کی باتیں سہیں بلکہ جوتیاں سہو۔ بھائی کے گھر نوکرنیوں کی طرح کام کرو اور بچے کھلاؤ اور روٹی کھاؤ۔"

میں نے دیکھا کہ بیوہ کے چہرے پر ایک سنجیدگی سی چھا گئی۔ اس کا خوبصورت چہرہ منجمد سا ہو کر رہ گیا۔ معاً میرے دل میں خیال آیا کہ اے کاش میں اس نوعمر لڑکی سے شادی کر سکتا۔ عین اس موقعہ پر ڈاک گاڑی کی گھڑگھڑاہٹ نے صحبت برہم کر دی۔ اور یہ نوعمر بیوہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈاک گاڑی دیکھنے سامنے سے ہٹ گئی۔ ریل چل دی۔ اور یہ قصہ یہیں کا یہیں ختم ہو گیا کیونکہ اگلے اسٹیشن پر یہ اتر گئی۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس نوعمر بیوہ کی خوبصورت تصویر میرے دل پر اس طرح جم کر رہ گئی کہ کئی روز متواتر اس کا چہرہ سامنے آ رہا۔ اور رہ رہ کر اس کا خیال آتا رہا۔ لیکن مفلسی ایسی چیز ہے کہ اس قسم کے نقش بہت جلد مٹا دیتی ہے چنانچہ یہ نقش بھی مہینہ بھر کے اندر اندر مٹ کے رہ گیا۔

میں دفتر کے تقاضوں کے لئے اکثر باہر جاتا رہتا تھا اور پھر کوئی ڈیڑھ ماہ بعد مجھے جانے کا اتفاق ہوا۔

اسٹیشن پہنچنے میں ذرا دیر ہو گئی۔ ٹکٹ خریدا ہی تھا کہ گاڑی روانہ

ہوگئی۔ لپک کر چلتی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ یہ ایک تیسرے درجہ کا ڈبہ تھا جس میں سوائے ایک برقعہ پوش عورت کے اور کوئی نہ تھا۔ اور جیسے ہی میں داخل ہوا میں نے ایک جھلک خوبصورت چہرے کی دیکھی۔ یہ وہی خوبصورت بیوہ تھی! اس وقت گاڑی میں اس کے ساتھ میں بالکل اکیلا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ برقع سے چھپا لیا۔ میری طرف نقاب میں سے دیکھا اور منہ موڑ لیا۔ میں حیرت زدہ کھڑا رہ گیا۔ کہ میری نظر اس کے خوبصورت ہاتھوں پر پڑی۔ بغیر سوچے سمجھے ہوئے یوں کہئے گویا کسی خاص کشش کے تحت قریب ہی جا کر اس کے سامنے والی طویل بنچ پر بیٹھ گیا اور کھڑکی سے سر باہر نکال کر جھانکنے لگا سامنے والی بنچ پر وہ تھی مگر میں بالکل آمنے سامنے نہیں بلکہ اس طرح کہ اگر بائیں ہاتھ کو میں دو کھڑکیاں اور سرک جاؤں تو ہم دونوں بالکل ایک دوسرے کے سامنے ہو جائیں۔

میری اس جسارت پر اس کو اپنا رخ بدل کر دیوار کی طرف منہ کر لینا پڑا ایسا کرنے میں غالباً اس نے غلطی کی۔ کیونکہ اب اگر سرک کر میں اس کے قریب پہنچوں تو وہ ایسا کرتے مجھے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ میں نے چاہا کچھ بات کروں مگر ناممکن ہوا۔

ممکن ہے کہ میرا فعل اخلاقی نقطۂ نظر سے مذموم ہو لیکن بہر دست چونکہ اخلاقیات کا درس دینے کے بجائے اپنی اخلاقی کمزوریوں کا مرقع پیش کرتا ہے۔ لہٰذا یہ بتانے میں مجھے عار نہیں کہ میں نے آہستہ آہستہ سرکنا شروع کیا اس خیال سے کہ کیوں نہ بالکل ہی اس کے سامنے بیٹھوں۔

جب بالکل ہی قریب پہنچ گیا تو میں نے کھڑکی سے ٹیک لگا کر دونوں پیر سامنے والی بنچ پر رکھ لئے اس طرح کہ میرے پیروں کا فاصلہ بمشکل اس کی پشت سے ہاتھ بھر رہ گیا ہوگا۔ اس نے اس موقع پر مڑ کر میری طرف دیکھا قدرے بےچین

ہو کر۔ اور میں نے آہستہ کہا۔

"جب سے میں نے آپ کو دیکھا ہے......"

میں رک گیا اور اس نے اور بھی بے چین ہو کر، بلکہ خوفزدہ ہو کر مجھے دیکھا میں نے کہا "تم گھبراؤ مت۔ میں تم کو جانتا ہوں۔ تم ایک بیوہ ہو۔ آٹھ مہینے کی شادی کے بیوہ ہو گئیں۔ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں......"

میں پھر رک گیا اور اس نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ میں نے کہا۔

"میں ایک غریب آدمی ہوں۔ نوکری پیشہ ہوں۔ آپ متعجب نہ ہوں آپ کو یاد ہوگا دو ڈیڑھ ماہ ہوئے رات کو آپ سفر کر رہی تھیں اور آپ کے ساتھ اور کوئی عورت تھی، وہ بھی بیوہ تھی......"

شاید اس نے بیکل ہو کر سنا اور غالباً کچھ کہنا ہی چاہا۔ میں نے رک کر کہا۔

"میں نے آپ کی اور اس کی گفتگو سنی تھی......"

"میں آپ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں......"

"میں اکیلا ہوں......"

"مجھ کو معلوم ہے آپ اس کے خلاف نہیں......"

"جب سے میں نے تم کو دیکھا اور تمہاری باتیں سنیں۔ بیکل ہوں۔ عرصے تک تمہارا خیال دل میں رہا۔ رات اور دن حیران تھا کہ آج اتفاقاً اس طرح ملنا ہوا۔ مجھے امید ہے کہ میں نے جو کچھ بھی کہا......"

اتنا کہہ کر میں اس کے برابر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا "بولو" وہ چپ رہی۔ میں نے بار بار تقاضہ کیا۔ اس نے گردن جھکا لی۔ میں نے ہمت کر کے ہاتھ سے ٹھوکا دیکر کہا اور جرأت ہوئی کندھا ہلا کر کہا۔ بار بار۔ بار بار تقاضہ کے ساتھ۔ نہ جواب دیکر۔ کچھ جواب نہ دیا۔ میں تو حیران رہ گیا۔ میں نے جلدی سے ایک کاغذ پر اپنا

نام اور پتہ لکھا اور کہا: "یہ میرا پتہ ہے۔ اس کو رکھ لیجئے"۔ بغیر یہ سوچے سمجھے ہوئے کہ فریق ثانی سے پتہ کی لاعلمی کا کیا علاج۔ اور بغیر یہ معلوم کئے کہ اس گفتگو کا انجام اس قدر تشنۂ تکمیل کیسے رہ سکتا ہے۔ میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ بہت ممکن ہے کہ دافع بلیات کا تعویذ سمجھ کر اس نے لیا ہو کہ یہ بلا کسی طرح ٹلے تو۔ اس نے انتہائی معصومیت سے ہاتھ بڑھا کر کاغذ لے لیا۔ معاً میرے اوپر بجلی سی گری تفصیل جانے دیجئے۔ رضامندی یا نارضامندی کا سوال بیکار ہے۔ ہم دونوں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے برقعہ کا نقاب اس کے سر پر رکھ دیا تھا وہ آنکھیں شرم و حجاب سے قدرے جھکائے ہوئے تھی۔ اور جواب نہایت ہی نرم اور کمزور آواز سے دیتی تھی۔ ریل کی گھڑگھڑاہٹ علیحدہ۔ میں نے دو چار ہی باتوں کے بعد کہا: "ارے نیک بخت میں بہرہ ہوں"۔ اس نے مسکرا کر منہ موڑ لیا۔ میں نے کہا: "نہیں ہوں بہرہ، خدارا ذرا زور سے بولئے"!

ہم دونوں نے بہت مختصر باتیں کیں۔ اس نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتی میرے والدین جانیں۔ یہ بھی کہہ دیا کہ ان سے کہنا بیکار بھی ہوگا۔ میری اس تجویز سے انکار کیا کہ میرے ساتھ چلی چلو اور ڈالو سب کو جہنم میں۔ اس نے برا مان کر کہا: "ہرگز نہیں۔ مجھ سے اس قسم کی باتیں مت کیجئے"۔ جائز و ناجائز کا سوال بیکار تھا۔ والد کو خط لکھنے سے بھی منع کیا۔ پھر ان کو پیغام دینے سے بھی منع کیا ذرا غور تو کیجئے گا کہ ہر طرح راضی ہیں۔ مگر نہ تو ساتھ چلنے کو رضامند نہ اس کی اجازت کہ باپ کو پیغام دو۔ پھر آخر کیا کروں۔ جواب یہ کہ "میں بھلا کیا بتا سکتی ہوں"۔

بمشکل تمام میں نے خط و کتابت کی اجازت چاہی اور پتہ مانگا۔ ذرا غور کیجئے گا پتہ دیا جاتا ہے۔ فلاں گاؤں میں پہنچ کر فلاں صاحب مرحوم کے مکان پر بہ خود دار

فلاں کو ملے۔ یہ کسی پڑوسی کا پتہ تھا اور اس پتہ پر خط بھیجوں گا تو مل جائے گا اس گفتگو کا یہ نتیجہ نکلا کہ اپنی معاشرت کے ایک عجیب و غریب پہلو کو حقیقت کی روشنی میں دیکھ لیا اور بس۔ یہ سوچا کہ سر دست یہی غنیمت ہے۔ آگے چل کر خط و کتابت سے معاملات راہ پر آجائیں گے۔ معلوم ہوا کہ خیر سے تنہا سفر کر رہی ہیں۔ دو اسٹیشن کا معاملہ ہے اور اگلے ہی اسٹیشن پر کوئی لینے کو موجود ہوگا۔ بٹھانے والے کی حماقت تھی جو اس مردانہ گاڑی میں تین چار عورتوں کو دیکھا تو وہیں بٹھا دیا کہ دو اسٹیشن تو جانا ہی ہے۔ یہ بھی خوشی کی بات تھی کہ اصل وطن میرے ہیڈ کوارٹر سے صرف ایک اسٹیشن دور تھا۔

میں نے دل کھول کر باتیں کیں۔ اپنی پاک محبت کا یقین دلایا اور اس کے جواب میں سچی اور جائز محبت کا وعدہ لیا۔ ہر طرح رضامند کر لیا بلکہ بار رضامند سے بھی زیادہ۔ حتیٰ کہ اس نے ہمت کر کے کہہ دیا کہ "اگر میرا بس چلتا تو میں ابھی تمہارے ساتھ چلتی اور مجھے کسی طرح انکار نہیں...... ہر طرح اپنی طرف سے رضامند ہوں...... وغیرہ وغیرہ"

جب اسٹیشن قریب آیا تو مجھے خیال ہوا کہ جو شخص اسے لینے آئے گا وہ مجھے اور اسے اکیلی گاڑی میں دیکھے گا۔ میرا تو کچھ نہیں واللہ اعلم اس پر کچھ افتاد پڑے۔ میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ خود اس نے بھی یہی خیال ظاہر کیا۔ میں نے بہتر خیال کیا کہ گاڑی رکنے سے پہلے ہی پلیٹ فارم کے دوسری طرف والی کھڑکی کے پائیدان پر کھڑا ہو جاؤں گا۔ اور گاڑی رکنے پر اس طرف اتر جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ لیکن گاڑی رکنے ہی کو تھی کہ ایک دم سے وہ لپک کر اپنی جگہ سے اٹھ کر آئی۔ جلدی سے کھڑکی میں جھانک کر مجھ سے کہا: "سنئے تو"

میں نے کہا: "کیوں؟ کیا ہے؟" اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے کہا: "بولتی کیوں نہیں ہو۔ کیا کہتی ہو؟"

اس نے ایک عجیب انداز سے مجھے دیکھا۔ اُس کے پُرفسوں چہرے پر ایک حجاب کی سی جھپکی آئی۔ آنکھیں جھپکا کر اس نے بڑے نرم لہجہ میں نہ معلوم کس طرح انتہائی کوشش کر کے کہا:-

"مجھے بھولو گے تو نہیں؟"

خدا کی پناہ! میرا کیا حال ہو گیا۔ غنیمت ہوا کہ ہینڈل نہیں چھوٹ پڑا۔ بیتاب ہو کر میرے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رکی۔ دیوانہ وار میں نے کھڑکی کھول کر اندر آ کر اس کو کلیجہ سے چمٹا لیا۔ اور دفعتہً چھوڑ کر کھڑکی کھول کر کود گیا گاڑی رکی اور میں دو ڈبے چھوڑ کر تیسرے میں جا بیٹھا۔ ریل چھوٹنے سے چند لمحے قبل میں نے دیکھا کہ کسی آدمی کے ساتھ جا رہی ہے۔ آدمی کی پشت میری طرف تھی لہذا پہچان نہ سکا۔

دوسرے روز میں واپس آیا۔ طبیعت پر جو کچھ بھی خلجان تھا ظاہر ہے عشق کا جنون سر پر سوار ہو چکا تھا۔ عمر کا پہلا سابقہ تھا۔ اپنی پوری قوت کے ساتھ محبت کے دیوتا نے اپنا پیکان میرے سینے میں پیوست کر دیا تھا۔

دن اور رات میں دوست کی محبت میں ڈوبا رہتا۔ میری طرح وہ بھی کسی نہایت ہی غریب زمیندار یا کاشتکار کی لڑکی تھی۔ میری طرح وہ بھی مجھے یاد کرتی ہو گی۔ جس وقت اس کا آخری کہنا یاد آتا کہ "بھولنا مت" معلوم ہوتا کہ چلتے چلتے دل رُک جائیگا۔

لیکن قسمت ملاحظہ ہو۔ یہاں میرا تو یہ حال اور خیر سے بڑی بی نے اب بھی اس خادم کا نام اپنی فہرست سے خارج نہیں کیا تھا۔ اُن کی تمام غیر متعلق

باتیں اور حرکتیں اُن کے رازوں کی غمازی کرتی تھیں۔ اور اگر ان کے احسانات بے پایاں میری جان حزیں پر نہ ہوتے تو غالباً کب کا میں نے اُن کا منہ نوچ لیا ہوتا۔

دو تین دن کا توقف کر کے میں نے ایک خط بتائے ہوئے پتے پر لکھا خط پہنچ گیا۔ اُس کا جواب بھی آگیا۔ اور اب خط و کتابت کا وہ سلسلہ جاری ہوا جس نے میری زندگی میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا۔

عشقِ حقیقی

عشق کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مجازی اور حقیقی۔ اور جب میں مبتلائے عشق ہوا تو جان گیا کہ یہ عشقِ حقیقی ہے۔ اور علامات و آثار سے بھی معلوم ہو گیا کہ یہ مجنوں یا فرہاد والی قسم ہے۔ اور اس کے نتائج مجنوں یا فرہاد کی طرح اچھے نہ نکلیں گے لیکن یہ مجھ کو نہیں معلوم تھا کہ باوجود نتیجہ خراب نکلنے کے میرا حشر مجنوں اور فرہاد سے بالکل مختلف ہو گا۔ ایسا کہ میں ان دونوں آشفتگانِ عشق کی قسمت پر رشک ہی کرتا رہ جاؤں گا۔

ایک چند ہی روز میں بخدا میں عشق کی تند و تیز آگ میں جلنے لگا۔ آتشِ محبت بھڑکنے دیتی تھی۔ راتوں کی نیند اڑ گئی۔ اٹھ کر گھنٹوں ٹہلتا۔ اکیلے ہی اکیلے اپنی بے بسی پر روتا۔ دن بھر چپ چاپ سا رہنے لگا کہ جو بھی دیکھتا یہی پوچھتا کہ کیا ہو گیا ہے۔ بڑی بی کھانا لاتیں تو مجھے دیکھ کر حیران رہ جاتیں۔ میں کچھ نہ بولتا ہوں ہاں کر کے ٹال دیتا۔ بہر حال اس آگ کو تیز سے تیز تر کر رہا تھا۔ پھر مشکل یہ کہ ادھر سے اس کی اجازت نہیں کہ عملی قدم اٹھاؤں اور سلسلہ جنبانی کروں۔ ابھی کچھ دیر تھی اور مصلحت درمیان میں حائل تھی۔ معاشرت کی رسمیں برادری کی بندشیں اور اس پر دیہات کی جہالت۔ یہ تھیں وہ دشواریاں جو چٹان کی طرح حائل

تھیں۔ اور ادھر میرا یہ خیال کہ ع۔ آخر اس ساغر لبریز کی مے کیا ہوگی۔ الجھنیں بڑھ رہی تھیں کہ آگ پر تیل پڑ گیا۔

ایک خط آیا کسی دوسرے گاؤں کا پتہ لکھا تھا کہ وہاں ایک تقریب میں جاتی ہوں۔ میری ایک سہیلی ہیں۔ ان کے گھر جا کر ٹھہر جاتا۔ باپ ان کے نابینا ہیں۔ ٹھہرنے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ ہیں تاریخ مقررہ کو پہنچ گیا۔ یہ ایک انتہا سے زیادہ فلاکت زدہ کاشتکار کا مکان تھا۔ صاحب خانہ بوڑھے اور نابینا تھے۔ ظاہر او وچار کھیتوں کے مالک ہو گئے۔ دان ہوگی۔ ان بڑے میاں سے جو میں نے دو چار ہی باتیں کیں تو میں کھٹکا۔ یہ تو ایسی باتیں کر رہے تھے جیسے میں اپنی بیوی بچوں سمیت تقریب میں آیا ہوں اور بیوی بچے تقریب والے گھر میں ٹھہرے ہیں اور قلت کے سبب یہاں ٹھہرا ہوں معلوم ہوا کہ ان کی صاحبزادی صاحبہ نے ان کو مغالطہ دیا تھا یعنی میری محبوبہ کی سہیلی نے۔

قصہ کو اس طرح مختصر کرتا ہوں کہ دوسرے روز شب کو موقعہ ملا۔ صاحب خانہ کی لڑکی معہ اپنی سہیلی صاحبہ کے موجود تھیں اور میں اپنی محبوبہ سے ملا۔ بیان نہیں کر سکتا کیا حال ہوا۔ تجویز یہ ہوئی کہ مجھے اختیار ہے۔ میں اپنی منظور نظر کے باپ سے مل کر نکاح کا پیغام دوں۔ مگر وہ جو کسی نے کہا ہے قسمت کا لکھا پورا ہوتا ہے۔ یا تو بات نہیں پھوٹ گئی اور یا وہاں پھٹ گئی کچھ بھی ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مجھ کو خبر بھی نہ ہوئی اور میرے خطوط وہاں پکڑے گئے درحالیکہ میرے کسی خط میں بھی سوائے پاک محبت کے کوئی ناشائستہ بات نہ تھی اور ہر خط میں تقاضہ تھا کہ میں تمہارے والد صاحب کی خدمت میں پیغام پہنچانا چاہتا ہوں۔ قصہ مختصر میں خوش خوش یہاں سے واپس آ گیا اور واپسی کے ہفتہ بھر لعد خط لکھا

جواب ندارد۔ پھر خط لکھا۔ جواب ندارد۔ حتیٰ کہ پندرہ بیس دن نکل گئے۔ ان خطوں میں وہی دریافت کیا تھا کہ تمہارے والد سے ملنے کب آؤں۔ جب میں نے خط پہ خط لکھے اور کوئی جواب نہ آیا تو میرا برا حال ہو گیا۔ دنیا اندھیر ہو گئی۔ رات اور دن آہیں بھرتے گذرتی، جب حالت ناقابل برداشت ہو گئی تو بسم اللہ کہہ کر میں نے تین روز کی رخصت لی اور پہنچا۔

غالب کے اکثر اشعار کے معنی سمجھنے میں مشکل ہوتی ہے اور عشاق کے حسب حال جو اشعار ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

اس شعر کے معنی جیسے کچھ بھی میں نے سمجھے یہاں عرض کئے دیتا ہوں

اتوار کا دن تھا۔ صبح کی گاڑی سے روانہ ہو کر میں گاؤں پہنچا۔ گاؤں میں پتہ چلنا دشوار ہی کیا تھا۔ اپنی محبوبہ کے والد صاحب کا نام معلوم ہی تھا۔ مکان پہ پہنچا تو ایک خوشحال کاشتکار کے مکان کا نقشہ پیش نظر تھا۔ ایک چوپال تھی اس میں دو تخت اور چار پائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ تین چار دیہاتی مسلمان بیٹھے ہوئے تھے۔ گاؤں کی بے تکلفی کے سبب صاحب خانہ کا پتہ چلنا دشوار تھا۔ میں نے سلام علیکم کر کے بزرگوار کو پوچھا۔ ایک تنومند جوان نے میرا نام و پتہ اور مقصد دریافت کیا۔ میں نے نام و پتہ بتا کر مقصد کو صیغہ راز میں رکھا۔ کہہ دیا کہ ان ہی سے ملنا ہے۔ انھوں نے بٹھایا اور کہا ٹھہریئے ذرا۔ ابھی آتے ہیں۔ فوراً اٹھ کر گئے اور اندر جا کر اپنے برادر کلاں کو بلا کر لائے۔ دونوں بھائی آ کر بیٹھ گئے اور پھر مجھ سے ایک لفظ نہ پوچھا۔ مگر ہاں یہ میں نے محسوس کیا کہ اور لوگ جو بیٹھے تھے ان کو قصداً رخصت کر دیا گیا۔ اور پھر مجھ سے کہا کہ آئیے سامنے

کمرے میں چلنے۔ ایک بھائی میرے آگے اور دوسرا پیچھے۔ کمرے میں پہنچا تو ایک بڑے میاں چارپائی پر جلوہ افروز تھے۔ یہ میرے ہونے والے خسر یعنی ان دونوں بھائیوں کے والد تھے۔ میں نے نہایت ہی ادب سے سلام کیا۔ ایک موٹا سا پڑا تھا۔ اس پر مجھے بیٹھنے کا حکم دیا گیا۔ اظہار مقصد کے لئے میں نے تخلیہ چاہا۔ دونوں بھائی اٹھ کر چلے گئے۔ میں نے نہایت ہی ادب سے اور ہاتھ جوڑ کر اپنا مقصد ظاہر کیا کہ میں آپ کی غلامی میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ بڑے میاں نے ایک دم سے اپنا چہرہ مسخ کر لیا اور بجائے جواب دینے کے اپنے بیٹوں کو آواز دی۔ یہ کہہ کر کہ "ارے یہ وہی ہے" اب ہم نے دیکھا کہ تیوری پر بل ڈالے دونوں بھائی آئے۔ "اچھا" دونوں نے یک زبان ہو کر کہا "یہ وہی بدمعاش ہے"؟

میں عرض نہیں کر سکتا کہ میرا کیا حال ہوا۔ پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ مجھ سے نہایت ہی سختی سے پوچھا گیا کہ میں نے کیا سمجھ کر ایک شریف لڑکی کو خط لکھے اور جب میں نے اپنی نیک نیتی کا ذکر کیا جو میرے یہاں آنے سے ثابت تھی تو اس کا انھوں نے یہ جواب دیا کہ یہ میری دیدہ دلیری ہے اور میں نے ان کو ایسا کمینہ سمجھا کہ اب خود آیا۔ جن کے یہاں عقد ثانی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا ذکر بمنزلہ توہین ہے۔ ان سے ایسی "چھیڑ چھاڑ" کرنے کی اب کیا سزا ہے یہاں صرف یہ لکھ دینا کافی ہے کہ کوئی حجت یا بحث کارگر نہ ہوئی۔ الٹی آنتیں گلے پڑیں بڑے میاں نے گالی دے کر اپنے لڑکوں کو حکم دیا کہ مجھے کھود کر گاڑ دیں۔ چشم زدن میں سوال ہی دوسرا پیش ہو گیا۔ مقابلہ یا مجادلہ کا نہیں بلکہ خالص پٹنے کا۔ اور پھاند پھوند کر نکل جاتا منتہائے عشق!

تفصیل کچھ دلچسپ نہیں ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ میری تو دوکوب ہوئی بہت

یا کم ہے آپ اندازہ شاید نہ لگا سکیں۔ بس یوں سمجھئے کہ سارا عشق ناہید کا دہیرا
بھونپو بجا کر موذیوں نے جھاڑ دیا۔ تب کہیں میں نکل کر بھاگا۔ مگر پھر پکڑا گیا اور
گھر میں چوری کی نیت سے گھسنے کے الزام میں پولیس میں دیدیا گیا۔ تھانہ کی حراست
مجھے غنیمت معلوم ہوئی۔ بہت جلد مجھے معلوم ہوا کہ یا تو ضمانت دوں ورنہ حوالات
میں جاؤں۔ یہ ان کو نہیں معلوم کہ میرے گھر اور حوالات کی تکلیف میں زیادہ فرق
نہیں۔ لیکن سوال ملازمت کا تھا۔ میرا کون مراعیتا تھا جو مجھے ضمانت پر چھڑاتا
لاچار ہو گیا۔ لیکن اس لاچاری کے عالم میں ذرا فرصت جو ملی سوچنے کی تو ذہن
کسی دوسری طرف منتقل ہوا۔ کیا ممکن تھا کہ بڑی بی کو اگر اس وقت تار دیا جائے
تو وہ میری مدد کر سکیں۔ دراصل اس وقت عشق کے جذبات ایسے معدوم تھے
کہ خیال ہی نہ تھا کہ ہم عاشق بھی ہیں۔ مار اور حوالات۔ پھر نوکری جانے کا خدشہ
علیحدہ۔ اور جب کہیں جیل ہو گئی تب گھبرا کر بڑی بی کو تار دلوایا۔ تھانہ دراصل اسٹیشن
کے قریب ہی تھا۔

رات بھر تو در حوالات رہا۔ دوسرے دن صبح کی گاڑی سے بڑی بی
آپہونچیں۔ ایک تجربہ کار ٹھہریں۔ واللہ اعلم کیا گفت و شنید کی کہ تیسرے پہر کی
گاڑی سے ہم واپس گھر آگئے۔ ایک کانسٹبل ساتھ تھا۔ اس کو روپے پچاس گن
کر دیئے گئے۔ تب جا کر معاملہ رفع دفع ہوا۔ مگر کے دن کے لئے۔ موذیوں نے
پولیس کی شکایت مجسٹریٹ کے یہاں کی اور عدالت میں مقدمہ کھڑا کر دیا۔ پھر
میری ضمانت ہوئی۔ بڑی بی نے اپنا مکان ضمانت میں دیا۔ اور مقدمہ چلا۔ پورے
دو مہینے میں میری جان اس مقدمے سے چھوٹی۔ سوا سو روپیہ اس مقدمے کی نذر
ہو گیا۔ گویا بڑی بی کا ڈھائی سو روپیہ کا قرض دار ہو گیا۔ ذرا غور کیجئے گا اس
دوہری شکست پر۔ سچ مچ کچل کر رہ گیا۔ ایسا کہ بالکل گم سم ہو گیا۔ حتیٰ کہ بڑی بی

کاشکریہ ادا کرنے کو بھی زبان نہ تھی۔ بڑی بی نے میری زیرباری اور خرچے کو دیکھا۔ تجویز کی کہ میں پیشتر کے شرائط پر ان کے ساتھ چل کر رہوں۔ چنانچہ میں چپ بیٹھا دیکھتا رہا۔ اور اسباب کے ساتھ خود بھی بڑی بی کے یہاں پہنچ گیا۔ دراصل روحی جسمانی اور مالی مصیبتوں کے پہاڑ تلے ایسا کچل گیا تھا کہ زندگی وبال اور بیکار معلوم ہوتی تھی۔

بڑی بیوی

قبل اس کے کہ میں اپنا قصّہ آگے بیان کروں بہتر سمجھتا ہوں کہ یہ امر واضح کر دوں کہ نہ تو میرا ارادہ ہے کہ زمرۂ عشاق میں میرا نام بھی شامل کر لیا جائے اور نہ کسی گزیٹیڈ عاشق کا نام فہرست سے خارج کرانا ہے۔ لیکن ہاں یہ ضرور عرض کرنا ہے کہ جہاں تک عشق کا تعلق ہے مجھے بھی عشق صادق ہی ہوا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا بیشتر حصّہ کچھ تو مار کوٹ سے غائب ہو گیا اور باقی جو بچا وہ پولیس اور عدالت کی گھسیٹن میں کہیں سے کہیں پہنچا۔ ممکن ہے آپ کہیں کہ عشق پھر عشق ہوتا ہے۔ کہیں ان مادّی قوتوں کے بس کا روگ تھوڑی ہے لیکن عرض ہے قبلہ کہ مفلسی اور قرضداری ایک طرف اور اُن دیہاتی موذیوں کا دھڑکا ایک طرف۔ وہ بھی کیسا کہ معشوق کے تخیل کے ساتھ گنوارو ڈنڈے بھی لوازمات تخیل ہو کر رہ جائیں۔ دراصل مجنوں اور فرہاد کے معیار پر آج کل کا عشق جانچنا ہی غلطی ہے کیونکہ صحیح عرض ہے کہ اس زمانے میں تو سرے سے یہ محکمے ہی نہ تھے، نہ کلرکی تھی نہ ایسی پولیس، نہ ڈنڈے نہ کمبل اور نہ عدالت۔ نہ یہ پھندے اور نہ قرضداری۔ ورنہ یہ واقعہ ہے کہ عشق بھی وہی ہے اور عاشق بھی وہی ہیں۔ ویسے ہی سچّے بلکہ غالباً اس سے زیادہ، اور بخدا ہم بھی اپنے عشق میں

سچا تھا مگر اس کو کیا کہوں کہ ایک طرف تو قرضداری اور نوکری کا ڈر تو دوسری طرف ان موذیوں کے ڈنڈوں کا ڈر جنھوں نے کہہ دیا تھا کہ اگر اب میں نے ذرا کچھ بھی کیا تو جان کی خیریت نہیں۔ ایسی صورت میں کیا کرتا۔ گھُٹ کر رہ جل گُم سم ہو کر رہ گیا۔ خدا بھلا کرے ان بڑی بی کا کہ انھوں نے بھی معاملات کی نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے شاید اندازہ لگا لیا کہ مجھے سکون قلب کی انتہائی زیادہ ضرورت ہے۔

اس دوران میں بڑی بی کے یہاں آ کر میں نے دیکھا کہ انھوں نے اپنا پہلے کا کام چھوڑ چھاڑ دوکان کا ساڈول گانٹھ لیا ہے اور لب سڑک مکان کی کھڑکی ہی میں سے بیٹھی بیٹھی وہ روزی کما لیتی ہیں۔ گھر کیا بنے کی دوکان تھی پوری اور کام ان کا سرعت سے بڑھ ہی رہا تھا۔ کیونکہ محنت، جفاکشی اور دیانتداری سے جو کام کیا جائے وہ ضرور کامیاب ہوتا ہے۔

میں نے خود زور دے کر بڑی بی کو اُن کے قرضے کا کاغذ لکھ دیا۔ اور یہ کیا کہ پوری آمدنی لا کر ان کو سونپ دیتا کہ کھانے پینے سے جو بچے وہ قرضے میں مجرا ہو۔ گو طبیعت کو سکون تھا مگر یہ سوچتے ہی خلجان سوار ہو جاتا تھا کہ بڑی بی مجھ سے کیا کما رہی ہیں۔ بیٹھ کر حساب کرتا دل میں لیکن پھر خود ان کے ساتھ رہنے اور ان کو چوروں کے دھڑکے سے بے خبر رکھنے کی قیمت جب مقرر کر لیتا تب جا کر اطمینان ہوتا۔ لیکن اس دوران میں بڑی بی نے ایک اور ہی پانسہ پھینکا۔ دراصل مجھ کو شبہ تو بہت پیشتر تھا مگر تصدیق ہو گئی۔ واقعہ تھا کہ ایک کاٹھ کا اُلو روزانہ آتا تھا اور پانی پہ کچھ دو انچھر دم کر جاتا تھا۔ اور یہ پانی خیر سے مجھے پلایا جاتا تھا۔ میں جو کھٹکا تو سارا بھید کھل گیا۔ میرے تکیے میں تعویذ رکھ دیا گیا تھا۔ کبھی پان میں الائچی کھاؤں تو وہ پڑھی ہوئی۔ لاحول ولا قوۃ۔

اُن کے تاثرات سے یہاں بحث نہیں سوال صرف یہ تھا کہ اُن کے احساس پر غور کیجئے۔ درحالیکہ میری نظروں میں اب بھی وہی نقشہ بسا ہوا تھا۔ ہنسی بھی آتی جب میں بڑی بی کو دیکھتا اور غور کرتا کہ ان تعویذوں کے زور سے بڑی بی پر عاشق ہونا ممکن ہے! بلکہ میں یہ جانتا تھا کہ اس "چھوچھکا" کا پورا کورس لینے کے بعد اگر بڑی بی میں کچھ عقل آجائے تو بہتر۔ دیکھ تو ہیں وہ کہ پتھر میں جونک لگائے کہیں لگتی ہے۔

اُس زمانے کا ذکر ہے کہ مجھے بڑی بی کی ایک اور کارروائی کا علم ہوا سوتے میں وہ میرے قریب آکر غور سے میرے چہرے کو دیکھا کرتی تھیں۔ کئی بار مجھے یہ نیک کھلنے پر شبہ سا ہوا۔ اس شبہ کی ایک دن میں نے مکر گانٹھ کر تصدیق کرلی۔ سوتا بن گیا۔ میں نے چپکے سے دیکھا بڑی بی اُٹھیں، دبے پاؤں آکر میرے چہرے کو دیکھنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور بات بھی معلوم ہوئی۔ نماز تو وہ پہلے بھی پڑھتی تھیں مگر کیسی! بس یہ سمجھئے کہ پڑھ تو رہی ہیں نماز مگر دل بازار میں پڑا ہے۔ ٹکریں مار مور یہ جا وہ جا۔ مگر اب نماز نہ صرف دوسری تھی بلکہ معہ وظیفہ۔ خیر یہاں تک بھی کچھ نہیں۔ مگر میں نے یہ دیکھا کہ مغرب اور فجر اور عشاء کی نماز کے مختصر یا طویل وظیفے کے بعد ہی وہ گھوم گھام کر میرے قریب ضرور ہو جاتی تھیں! لیکن باوجود ان واقعات کے اور باوجود اس کے کہ میں بدستور مرکز خدمات بنا ہوا تھا مرکز توجہات نہ بنا۔ بڑی بی کے رویہ میں ایک شان استغنا پائی جاتی تھی۔ یہ غالباً اُس کمزوری کی تلافی تھی جس کا اظہار وہ کر چکی تھیں۔

صورت حال مفروضہ افتاد پر قائم تھی۔ دن اور مہینے گذرتے گئے اور کوئی قابل ذکر بات پیش نہ آئی۔ سردی کا موسم آیا تو بڑی بی نے میرا اور اپنا

بستر کمرے میں پہنچایا۔ کمرہ جس میں فرش تھا۔ نرم نرم گھاس پر دری اور اس پر جاجم اور اس پر بستر۔ رات کو ایک کڑوے تیل کا چراغ اس کمرے میں اندھیرے اور اجالے کا ڈھنگ قائم کر دیتا۔ اور یہ کشتی صبح سورج کی کرنوں کی امداد سے فیصل ہوتی۔

چڑھتی سردی کا زمانہ تھا کہ میں بیمار پڑ گیا۔ معمولی بخار تھا مگر سر کے درد نے فنا کر دیا۔ باوجود میرے منع کرنے کے بڑی بی نے تیمارداری کو بیماری سے زیادہ تکلیف دہ بنا دیا۔ بستر سے بستر ملایا گیا اور سر کا درد کیا ہوا کہ سر کی ملکیت کا سوال در پیش ہو گیا۔ مگر ناحق شناسی ہو گی، اگر اس تیمارداری کا شکریہ ادا نہ کروں۔ اور یہی بیماری میرے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ دراصل عورت پھر عورت ہے خواہ وہ بوڑھی ہو کہ جوان اور مرد ایک ناچیز ہستی ہے۔

معمولی بخار کی شکایت تھی جو جاتی رہی۔ لیکن حکیم جی نے بد قسمتی سے بادام اور کاہو کا تیل سر میں ڈالنا تشخیص کیا تھا۔ نتیجہ یہ کہ بعد بیماری یہ دور سر جاری ہوا کہ سوتے وقت بڑی بی گھنٹے دو گھنٹے میرے سر میں تیل ڈالا کرتی تھیں۔ یا یوں کہئے کہ لطیفے اور قصے ادھر اُدھر کے ہو رہے ہیں۔ میں لیٹا ہوا ہوں، زانو پر اُن کے سر ہے۔ اور وہ میرے سر اور بالوں اور پیشانی سے شوق فرما رہی ہیں۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ اسی طرح سر دباتے میں نے کہا نیند سی آ رہی ہے مگر بڑی بی نہ مانیں۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور غنودگی سی آ گئی۔ نہیں کہہ سکتا کہ میں کب اور کتنی دیر میں سو گیا۔ اور سوتے میں میں نے ایک خواب دیکھا۔

کیا دیکھتا ہوں کہ وہی نابینا کا مکان ہے جہاں میں اپنی محبوبہ سے ملنے گیا تھا۔ وہی کمرہ ہے اور میں نے اس کو دیکھا۔ میں نے اس کو آگے بڑھکر شوق بیتابانہ سے اپنے بیقرار سینے سے لگا لیا۔ اُس نے بھی محبت سے مجھے دبایا۔ اور اپنا سر میرے سینے سے لگا دیا۔ میں نے اس کے سر کو بوسہ دیا اور زور سے دبایا اور اس نے اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا اور ہلکی ہلکی سسکیاں لیں اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔

جذبات سے میں بے قابو ہو گیا۔ میں نے اور بھی محبت سے اس کو اپنے سینے سے لگایا۔ اپنے سینے پر ٹھنڈک سی محسوس کی۔ آنکھ کھل گئی۔ جہاں تک حقیقت کا سوال ہے خواب سچا تھا۔ یعنی یہ واقعہ تھا کہ میں انتہائی گرمجوشی سے بڑی بی کو سینے سے لگائے اُن کے سر کو بوسوں سے سرفراز کر رہا تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اور انھوں نے اپنے آنسوؤں سے میرا سینہ تر کر دیا تھا۔ جس کی خنکی میں محسوس کر رہا تھا۔

اب ایسی صورت میں میں کیا کرتا۔ تن بہ تقدیر اسی طرح سوتا بن گیا مگر کیا اب بڑی بی مجھے چھوڑنے والی تھیں۔ توبہ کیجئے۔ اس محبت کی ماری بڑھیا نے اپنی گرفت کو اسی طرح قائم رکھا۔ نتیجہ یہ کہ زیادہ سے زیادہ میں یہ کر سکتا تھا کہ اپنے ہاتھ ڈھیلے کر دوں۔ مگر چھڑانا اور علیحدہ ہونا بغیر باضابطہ جاگنے کے ناممکن تھا۔ اور مجھے بہت جلد ہی تسلیم کر لینا پڑا کہ میں جاگ اٹھا ہوں۔ اور اس میں بڑی بی کی جیت تھی۔ نتیجہ یہ کہ مجھ کو آنکھیں کھول کر چراغ کی دھیمی روشنی میں اپنی عبرتناک حالت کو دیکھنا پڑا۔ خود سوچئے کہ میں کیا کرتا۔ یہ تو کہئے رہا کہ بڑا ڈھوک رہا۔ کچھ خفت۔ کچھ شرم۔ نتیجہ یہ کہ مرد دو بدست زندہ صورت حال کو نبھانا پڑا۔ اس محبت کی ماری

بڑھیا کا آغوش الفت ایک مخمصہ ہوگیا۔ جس سے چھوٹنے سے پیشتر اپنے خواب کی پوری تعبیر دیکھنا پڑی۔

دوسرے دن ہم دونوں خاموش رہے۔ مگر میں نے اس سانحہ کی اہمیت کا احساس کیا۔ یہ واقعہ ایک حادثہ سے کم نہ تھا۔ کیا معنی کہ خود تو پیش قدمی کروں اور دوسرے روز یہ عذر کروں کہ دھوکے میں اور عالم خواب میں میں نے ایسا کیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ اس الجھن سے نکلنے کا کوئی راستہ بھی ہے۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ رات کو بڑی بی خاموشی سے سر دابنے کے لئے آئیں اور بغیر بات کئے انھوں نے سر کی مالش شروع کر دی۔ میں اس امکان ہی پر غور کرتا رہا کہ کس طرح اس مغالطہ سے نکلوں یا نکالوں۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ میں سوچتا ہی رہ گیا، اپنی بے بسی کا احساس بھی تھا عزت و آبرو کا پاس علیحدہ۔ مگر واقعات کے ہاتھ میں بچے کی طرح بے بس تھا۔ دوسرے دن بڑی بی سے نکاح کرنا پڑا۔ اور اس نکاح کے بعد میں خوب اور خوب ہی رو دیا۔ اپنی بے بسی پر یا بربادی پر! حقیقت کا احساس دل میں برچھی سی مارتا تھا۔ یا میرے اللہ! کیا یہ واقعہ تھا کہ ایک سید زادہ ایک رذیل عورت کے ساتھ نکاح کا تماشا کرے۔ کیا یہ نکاح تھا۔

میں نے اس شادی کے "ہنی مون" کو ایک عجیب و غریب طریقہ پر منایا کہ فقرے سے دس روز کی چھٹی لے کر کوٹھری میں بند رہا۔ رہ گئیں بڑی بی تو انھوں نے محلہ میں حصے بانٹے۔ میں جب گوشۂ عافیت سے نکلا ہوں تو بات پرانی ہو چکی تھی۔ مگر پھر بھی یار لوگ کھنکارنے اور فقرہ چست کرنے سے باز و آئے۔ لیکن جن کو یہ معلوم تھا کہ بڑی بی نے میرے ساتھ کیا سلوک کئے ہیں اور کیا احسان کئے ہیں، انھوں نے میری ہمت کی تعریف کی

لیکن اس عجیب و غریب شادی کے دوسرے پہلو پر بھی روشنی ڈالنی چاہتا ہوں۔ یہ شادی جیسی بھی حماقت آمیز، توہین آمیز، مضحکہ خیز، تمسخر انگیز اور انتہا سے لغو اور بے جوڑ شادی تھی اس کا اندازہ لگانا آسان ہے۔ یعنی مطلب یہ کہ بغیر اس قسم کی خود حماقت کئے ہوئے آپ آسانی سے رائے قائم کر سکتے ہوں گے۔ یہی میرا خیال تھا۔ لیکن! ...... بخدا! میں عورت کی دلکشی کا قائل ہو گیا۔ عورت اور پھر بیوی! ایک دلکش راگنی ہے جو دل کو برماتی چلی جاتی ہے۔ مجھ کو نہیں معلوم تھا کہ عورت ہے کیا چیز! عورت کی تمام ساحرانہ قوتوں سے بے خبر تھا۔ سوائے صورت و شکل اور ظاہر رعنائی اور انداز دلبری کے بقیہ تمام دوسری قوتوں کی طرف ذہن ہی منتقل نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ کو اختیار ہے خواہ میرے ذوق انتخاب کی داد دیں اور خواہ میری غرقابی پر کریں ماتم۔ میں تو ان معمر بڑی بی (جن کو میں نے اب بنظر احترام بڑی بیوی کہنا شروع کیا) میں ڈوب کر رہ گیا۔ ایک ادھیڑ عورت میرے لئے چند ہی روز میں محبوبہ بن گئی۔ ایسی کہ میں ان کی محبت میں دیوانہ ہو گیا۔ یہ حال کہ دفتر کی عارضی جدائی میرے لئے قیامت تھی۔ وقت کاٹے نہ کٹتا، اور دفتر سے دیوانہ وار گھر پہنچتا۔ اور جوں جوں وقت گزرتا گیا محبت میں بجائے وارفتگی کے استقراری اور پختگی آتی گئی۔ اس بے جوڑ شادی میں مجھے عشق و محبت کا خزانہ ملا۔ روح کو انتہائی آرام و سکون ملا ہر قسم کے جسمانی اور روحانی آرام کے ساتھ وہ راحت اور وہ سکون قلب جو ایک مرد کو ایک دلچسپ ترین بیوی کے حاصل کرنے کے بعد میسر ہونا ممکن ہے۔ حاصل ہوا ......

پھر خدا کی شان دیکھئے۔ یہ شادی تھی کہ فال نیک۔ اس شادی کے

ساتھ ہی ساتھ میری تقدیر نے بھی ایک خوشگوار پلٹا کھایا۔ ایسا کہ اُس کے بعد ہر قدم پر ترقی اور کامیابی تھی۔ حتیٰ کہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہوتا کہ الٰہی! کیا یہ واقعہ نہیں کہ دنیاوی ترقیوں کا راز بھی در اصل ایک کامیاب شادی ہی میں مضمر ہے۔ واللہ اعلم

اب میں اس زمانے پر نظر ڈالتا ہوں جو میں نے انتہائی آرام اور سکون کے ساتھ بڑی بیوی کے ساتھ گذارا

شادی

عشق بتاں میں عزت سادات بھی گئی۔ وہ مضمون میرا تھا۔ میرا نسبی غرور ایک رذیل عورت مٹی میں ملا چکی تھی۔ کنبہ، خاندان، عزیزداری، برادری میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہا۔ لیکن وطئے کہ غلاظت کے کیڑے کی طرح اپنی حالت میں خوش تھا۔ اور پھر جیسا میں نے عرض کیا اس شادی کے بعد ہی میری دنیاوی ترقیوں کا باب کھل گیا۔

بڑی بیوی اپنی تجارت میں منہمک تھیں اور میں اپنی نوکری میں مشغول ادھر ان کا کاروبار ترقی پذیر تھا اور ادھر میں اپنی محنت اور دیانت سے ترقی کرتا گیا۔ چار سال کے مختصر عرصے میں دس روپے سے ترقی کر کے ساٹھ روپے پر پہنچا۔ اور پانچواں سال شروع ہی تھا کہ اس ملازمت کے عوض مجھ کو دوسری انشی کی جگہ ملی۔ شہر چھوڑنا پڑا اور اب میں ایسے محکمے میں داخل ہو گیا کہ بشرطیکہ دیانت و محنت میرے لئے دنیاوی ترقی کا ایک وسیع میدان تھا۔

زمانہ گذرتے دیر نہیں لگتی، اور پھر عیش و آرام کی گھڑیاں اور چشم زدن میں دس سال گذر گئے۔ اس طویل مدت میں اپنی متاہل زندگی کی

طرف سے بالکل مطمئن رہا۔ بڑی بیوی کی محبت میں ہمیشہ ثابت قدم رہا۔ اور میری سمجھ ہی میں نہ آسکا کہ خوبصورتی اور نوعمری بھی کوئی خاص چیز ہے جس سے میری بیوی محروم ہے۔ اس غیر معمولی حالت کا راز ممکن ہے کہ شاید اس میں مضمر ہو کہ میری محبت تو ایک اعتدال پر قائم تھی لیکن بڑی بیوی کو جو مجھ سے محبت تھی وہ کبھی اعتدال پر نہیں آئی بلکہ ان کی محبت کا انداز ہمیشہ والہانہ رہا۔ اور جوں جوں وقت گذرتا گیا۔ ان کی محبت میں پاکیزگی اور صداقت بڑھتی گئی۔ بے لوثی اور خود غرضی گھٹتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ بڑی بیوی کی محبت کا خالص مقصد میری پرستش ہو کر رہ گیا۔ اپنی ہستی کو وہ آہستہ آہستہ بھولتی جا رہی تھیں اور ہر قدم پر ان کے ذاتی مفاد و اغراض معدوم ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ معاملات نے ایک خاص نوبت پر جا کر ایک عجیب پلٹا کھایا۔

ان کو ایک عجیب و غریب احساس نے پریشان کرنا شروع کیا۔ بیس سال گذر گئے تھے، اور میں اولاد سے محروم تھا۔ اپنی جوانی کا بہترین حصہ بڑی بیوی کے جنوں خیز عشق میں صرف کر چکا تھا۔ اپنی نسبی امارت اور غرور کو اُن کے پیچھے مٹی میں ملا چکا تھا۔ اور پھر اپنی عبرتناک حالت کے احساس سے قاصر تھا۔ یعنی اپنے حال میں خوش اور مگن تھا۔ اُن کی عمر ساٹھ کے پیٹے میں آ چکی تھی اور میں ہنوز تیس سال کا بھی نہیں تھا۔ ان کی عمر انحطاط پر پہنچ چکی تھی اور میری جوانی کا عروج تھا۔ اُن کا ضمیر اُن کو ملامت کرتا تھا حالانکہ مجھ کو اُن سے کبھی کوئی شکایت تو بڑی چیز ہے۔ شکایت کا خیال تک نہیں ہوا۔ لیکن ان کو محسوس ہوا کہ انھوں نے میرے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے

میری جوانی مٹی میں ملا دی ہے۔ میں یہ باتیں سنتا تو ہنسنے لگتا۔ مگر ان پر رقت طاری ہو جاتی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر روتیں۔ مجھ سے معافی مانگتیں اور توبہ کرتیں۔ اور اب انھوں نے بقول خود اپنے گناہوں کی تلافی کا ارادہ کر لیا۔ مجھ کو نہیں ان کو تو احساس تھا کہ میرے اولاد نہیں ہے اور عمر کا بہترین حصہ گذرا جاتا ہے۔ خود نہ سمجھوں لیکن وہ تو سمجھتی تھیں کہ آخر انسان ہوں اور جوان ہوں۔ اور بہت میری جوانی مٹی میں مل چکی۔ اب اس کی بھی حد ہونا چاہیے چنانچہ انھوں نے اب میری شادی کا مسئلہ چھیڑا۔ پہلے تو تذکرے ہوئے پھر سنجیدگی سے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے ارادے ہوئے۔ میں کسی طرح راضی نہ ہوا۔ مگر انھوں نے کچھ پرواہ نہ کی۔ میری بہتری وہ مجھ سے زائد سمجھتی تھیں۔ نہ صرف آزاد بلکہ خود مختار، گیا حاکم وقت وہی تھیں۔ میں منع ہی کرتا رہا اور انھوں نے اِدھر اُدھر میری شادی کے لئے سلسلہ جنبانی بھی شروع کر دی۔ بلکہ اس مقصد کے لئے ڈھونڈنا دھوپنا خود شروع کیا۔ اور پیغامبر اور کارندے دوڑانے شروع کئے۔ میری شادی کا انتظام دراصل کوئی مذاق تھا۔ جیسے بادشاہ وقت کے لئے لڑکی چھانٹی جاتی ہے صورت شکل۔ عمر۔ خاندان غرض تمام ہی امور پر نظر تھی۔ مجھے کون بھلامانس اپنی لڑکی دے دیتا۔ مگر لوگوں کو تامل تھا تو غالباً بڑی بی کی وجہ سے۔ لیکن جوئندہ یابندہ بڑی محنت اور کاوش اور دوڑ دھوپ کے بعد انھوں نے ہزاروں میں سے ایک لڑکی چھانٹی۔ اور اس کی شکل وصورت کا جو نقشہ میرے سامنے پیش کیا ہے تو میں ہنسنے لگا۔ خود بڑی بی نے کہانیاں پریوں کی سنائی تھیں۔ ان پریوں میں سے ایک یہ بھی تھی۔ اور میں نے پوچھا "بڑی بوی کیا وہ تم سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔" خاکساری ملاحظہ ہو کہتی ہیں "نوج۔ خاکسار سے

میرے دہاڑے پر۔ میری منسوبہ کی خوبصورتی کا اندازہ خود لگا لیجئے کہ خود بڑی بی کا حسن اُس کے آگے گرد تھا۔

قصہ مختصر بڑی بی نے میری شادی کا اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا لغول کسے دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ شادی کے انتظام کا کوئی شعبہ نہ تھا جس میں خصوصیت نہ برتی گئی ہو۔ ایسا کہ میں تو حیران رہ گیا۔ زیور۔ کپڑے اور دیگر لوازمات کے پیچھے حیران کر کر ڈالا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورا ارمان نکالنے کی فکر ہے۔ میں چاہتا تھا معمولی طرح نکاح ہو جائے۔ مگر بڑی بیوی مصر تھیں کہ دولہا بنے بغیر کام نہیں چلے گا اور شادی دھوم دھام اور باجے گاجے سے ہوگی۔ بالکل جیسے کنوارے بیاہنے جا رہے ہیں۔ دراصل بڑی بیوی ہی مجھے دولہا بنا دیکھنا چاہتی تھیں اور کیوں نہ ہو کہ دولہا تو آخر میں ان کا بھی تھا وہ بھی بلا شرکت غیرے۔ تاوقتیکہ نکاح نہ ہو جائے۔

قصہ مختصر بڑے ٹھاٹھ سے بڑی بیوی نے میری شادی رچائی۔ سب ارمان نکال لئے اور سچ مچ ایک رنگیلی اور رسیلی چاند سی بھونما سوت بیاہ لائیں۔

چھوٹی بیوی

ایک مختصر سا مگر کشادہ کمرہ تھا جس میں عمدہ غالیچوں کا فرش تھا
ایک طرف مسہری کا شامیانہ برپا تھا۔ بیچ میں خوبصورت میز اور دو کرسیاں
پڑی ہوئی تھیں اور ایک طرف مسند لگی ہوئی تھی۔ مسند پر گاؤ تکیہ سے لگی
ہوئی ایک مہکتی ہوئی زرنگار گٹھری رکھی ہوئی تھی۔ یہ چھوٹی بیوی یا چھوٹی بی
تھی۔ پاس ہی بڑی بیوی ایک نورانی پھول کی طرح چہکتی ہوئی تھیں۔ یہ تھا
وہ سین جو میں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دیکھا۔ بجلی کی تیز روشنی میں بڑی
بیوی کے چہرے پر شادمانی کا نور پرتو فگن تھا۔ مارے خوشی کے بیچ بیچ وہ پھولی
جا رہی تھیں۔

ہنسکر انھوں نے کہا: "دیکھ تو دولہن کو۔"

میں نے کہا: "اب تم کو دیکھا ہے۔ بھلا کیا جچے گی یہ میری نظر میں۔ وہ
بھی تمہارے سامنے۔"

بس کیا عرض کروں مارے خوشی کے بڑی بیوی باغ باغ ہو گئیں۔ بولیں
"چل خبردار جو ایسی باتیں کیں۔"

بڑی بیوی نے چھوٹی بیوی کا گھونگھٹ اٹھایا۔ وہ بیچاری اور بھی گرمی

مڑی ہوگئی۔ اور بھی جھک گئی۔ بڑی بیوی نے مسکرا کر رازدارانہ لہجہ میں اپنے انتخاب کی داد چاہی "لے دیکھ، دیکھ کیسی ہے؟"

میں نے کہا "میں اسے کیا دیکھوں، کیسے دیکھوں، یہ تو نہیں مانتی۔ بڑی مشکل سے قابو میں آئیگی۔ اس کا منہ تو اوپر کو اٹھاؤ۔"

اور ہم دونوں نے اس چھوٹی سی خوبصورت چیز کو پکڑ کر اچھی طرح دیکھا گو بڑی بیوی اس جارحانہ منہ دکھائی کے خلاف تھیں۔ مگر میں نے کہا "یہ ایسے نہیں مانیگی۔ دیکھنے نہیں دیتی۔ تم بالو اس کے ہاتھ پکڑو......"

لیکن چھوٹی بی پھر ہار گئی۔ میں نے اس کی ٹھوڑی کو سہارا دے کر اس کا چاند سا چہرہ بجلی کی روشنی میں آہستہ سے اٹھایا۔ جب اُس کا بس نہ چلا تو اُس نے لاچار ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ بڑی بی نے سفارش کی لیکن میں نے غور سے اس کے خوبصورت اور معصوم چہرے کو دیکھا اور جھک کر اس کا منہ چوم لیا۔ ارے سخت گڑبڑ واقع ہوئی۔ بڑی بی خود اچھل پڑیں اور خود اس نے گھبرا کر اپنا منہ بالکل چھپا لیا۔ بڑی بیوی زور سے چیخیں، اور مجھے جھٹکا۔ میں نے کہا "تم کیوں اچھلتی ہو" اب بڑی بیوی کی خاک سمجھ میں نہ آیا کہ اس موقعہ پر ہنسنا چاہئے یا خفا ہونا چاہئے۔ مجبور ہنسنے پر تھیں اور ضرورت خفگی کی تھی موقعہ خوب تھا۔ وہ چوٹ کی ہے کہ بڑی بیوی کبھی نہ بھولیں۔ میں نے کہا "تم ہی نے تو کہا تھا کہ جب میں منہ دکھاؤں......"

اب میں کیا عرض کروں کہ بڑی بیوی کیسا سٹ پٹائیں۔ بیحد خفا ہوئیں خوب بڑبڑائیں "بے شرم۔ بے حیا۔ شوخ۔ شریر" سب ہی کہہ ڈالا" بڑے شرم کی بات ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔ شرم نہ آئی کہتے" اور پھر ٹیپ کا بند "آیا معینہ، ہو گی دل میں"

میں نے کہا:- "پوچھ لو بیچاری بیٹھی تو ہے" اور یہ کہہ کر میں نے سفارش بھی کی، بڑی بیوی نے اُسی بڑبڑانے کے سلسلہ کو جانے کی تمہید ٹھہرایا۔ اور چل دیں اور دروازے کے پاس کھڑی ہو کر چپکے سے مجھے اشارہ سے بلایا میں اُٹھ کر گیا۔ پانچ منٹ تک انتہا سے زیادہ ضروری باتیں کرتی رہیں جن میں سے آدھی میں نے سنیں۔ مجھے گلے سے لگایا اور چلی گئیں۔ اور آج سے میری زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔

میں نے اپنی چھوٹی بی کو کیسا پایا۔ بجز اس مضمون کے "بڑی بی تو بڑی چھوٹی سبحان اللہ!" ایک انتہا سے زیادہ دلچسپ اور خوش گلو لڑکی۔ گانے کی بیحد شوقین۔ انتہا سے زیادہ بناؤ سنگار کرنے کی اور محبت اور پیار کی باتوں کی حد سے زیادہ شوقین۔ طبیعت میں شوخی اور رنگینی۔ خوش پوش اور جامہ زیب ایک رنگ برنگی خوبصورت چمکیلی تتلی۔ جس کی چمک دمک اور بانکپن سے میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اور پھر میاں کے گلے کا ہار۔ نتیجہ یہ میں تو سچ مچ گویا گھبرا گیا۔ خدا کی پناہ! میں کس دھوکے میں تھا اب تک۔ محبت کیا چیز ہوتی ہے! حسن و خوبصورتی بھی دنیا میں کوئی چیز ہے۔ ارے عورت یہ ہے! بیوی! واللہ! جوانی بھی کوئی چیز ہوتی ہے! گانا بھی خوب چیز نکلا۔ جوانی اور بڑھاپے میں واقعی فرق ہوتا ہے! اتنے دن تک واقعی بڑے دھوکے میں رہے! پہلے بیشک ہم جی رہے تھے۔ اور اب؟ اب تو واقعی زندہ معلوم ہوتے ہیں! آنکھیں کھل گئیں۔ اب چاروں طرف نظر جو ڈالتے ہیں تو لاحول ولا قوۃ۔ وہ مضمون ہے اونٹ رے اونٹ تیری کون کل سیدھی۔ کپڑے دیکھو تو لتے دیکھو تو۔ جوتا ٹوپی۔ میز کرسی۔ فرش فروش ہر چیز صاف ہے۔ ستھری ہے۔ اپنے قرینہ پر ہے۔ پر جس چیز کو دیکھو ایک منحوس اور مریل پن ہے کہ برس رہا ہے درحالیکہ

چھوٹی بی کے دوپٹے کی چنٹ ہے کہ دل میں چٹکیاں بھرے لیتی ہے۔ اور یہاں اپنی ہر چیز رنگ و بو سے خالی۔ رنگین ہے تو اس میں رنگ نہیں۔ سفید ہے تو اس میں رنگت ندارد۔ صفائی ہے تو چکنا پن ندارد۔ ہر چیز میں ایک بڑھاپا سا ہے کہ پھٹا پڑتا ہے! ایک بوسیدگی ہے کہ چھائی ہوئی ہے۔

اور غضب یہ غضب کہ اب جب ہم کو دیکھو چکتا معلوم ہوتا ہے ایک بھڑکیلا پھول بنا رہتا ہے۔ ہمیشہ سے! پر ہم نے کبھی اس امر پر غور ہی نہیں کیا۔ قصہ مختصر کیا عرض کیا جائے اس چھوٹی بیوی نے تو آنکھیں کھول دیں ایک روشنی تھی کہ از خود ہر چیز نے چکنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر چیز میں روپ اور نکھار سا پیدا ہونے لگا اور زندگی ایک مرصع گلدستہ بن گئی۔

نتیجہ اس انقلاب کا ظاہر ہے

پہلے تو بڑی بیوی نے سوت کی وہ خاطریں کی ہیں کہ نہ پوچھیے۔ ہر معاملے میں میری مخالفت اور اس کی طرفداری۔ اب قدرتی امر تھا کہ اس کے عوض وہ اس مناسبت سے اپنی عزیز از جان سوکن سے وفاداری اور فرمانبرداری کی متوقع تھیں۔ وہ حق بجانب تھیں۔ اور نہ بھی ہوتی تو گھر کی گورنمنٹ کے چارج سے تو دستبرداری ناممکن تھی۔ اور جہاں تک چھوٹی بیوی کی فرمانبرداری اور رقابت کا سوال ہے اسے بھی انکار نہ تھا مگر اس کا کیا علاج کہ حقیقت پھر حقیقت تھی۔ میرے پاس کتنا روپیہ ہے؟ پتہ نہیں۔ یہ دو تین مکان جو خریدے بڑی بیوی کے نام ہیں اور زیور؟ سب بڑی بیوی کا ہے۔ کتنا ہے؟ کچھ معلوم نہیں گھر کا کیا خرچ ہے؟ ہم کیا جانیں۔ کتنا بچتا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ ہمیں کہیں نہیں معلوم۔ کچھ مقررہ جیب خرچ لیتے ہیں؟ کچھ نہیں۔ ضرورت پر مل جاتا ہے بعض اوقات نہیں بھی ملتا۔ جل کر بیچاری نے کہا، "پھر مجھ سے شادی کیوں کی؟ میں

کیا جواب دیتا۔ یہی کہ بڑی بی نے مجبور کیا۔

غرض یہ تمام باتیں۔ پھر عمر کا فرق۔ بڑی بیوی کی نیک نیتی اور محبت میں کلام نہیں۔ لیکن سچ پوچھئے تو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ ایک نہ ایک دن ان بن ضرور ہو جائیگی۔ بڑی بیوی کو ایک منتظم اور معتبر بیوی کی طرح پھوہڑپنے سے نفرت۔ الھڑپنے سے نفرت۔ فضول خرچی سے نفرت۔ لاپرواہی سے نفرت۔ سستی دکاہلی سے نفرت۔ بات بات پر پہلے محبت اور اخلاص سے، پھر نرمی سے اور پھر سنجیدگی سے ٹوکنا شروع کیا۔ اعتراض کرنے شروع کئے اور چھوٹی بیوی کو اپنی محتاجی الگ کھل گئی۔ ہر بات میں بڑی بیوی کی محتاج۔ درحالیکہ بدقسمتی یا خوش قسمتی سے چھوٹی بیوی کو اپنی قوت کا پورا اندازہ تھا۔

خاندانی لحاظ سے بڑی بی کو (؟) آخر کو اچھوت اور وہ خود سید زادی کی شکایت کی شہزادی۔ پہلے مجھ سے دبی دبی زبان سے شکایت ہوئی۔ پھر بڑبڑانا شروع کیا۔ اُدھر بڑی بیوی نے بھی یہی کیا۔ نتیجہ یہ کہ چھ مہینے گذرنے پائے تھے کہ ایک روز بری طرح چخ گئی۔ اور چھوٹی بی لڑلڑا کر اپنے گھر۔

اب میں جو آیا دفتر سے تو یہ رنگ۔ چپ کا چپ رہ گیا۔ حرف نہ بولا۔ بڑی بی تجربہ کار۔ تاڑ گئیں کہ میں بیکل ہوں۔ جا کے سوت کو منا لائیں۔ مگر غرض نہ نکلے۔ سابقہ معرکے سے تیز تر ہوئی۔ حتیٰ کہ وہ عبرتناک حالت ہوئی کہ بڑی بیوی سچ مچ گھلنے لگیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

بڑی بیوی کی بیچارگی قابل رحم تھی مگر میری لاچاری اس سے بھی زیادہ قابل رحم۔ اس خوبصورت اور سرکش بیوی کی زبان بلا کی تھی۔ طعنے غضب کے ایسے کہ برچھی کی طرح دل میں اُتر جائیں! میں نے کہا " نیک بخت! بڑی بیوی نے میرے ساتھ مہربانیاں کیں۔ سلوک کئے۔ احسان کئے۔ لونڈی کی طرح

بن کر رہیں"
چیخ کر بولی :" بن کر کیا رہیں۔ تھیں ہی وہ لونڈی۔ وہ بیگم کس دن تھیں مگر یہ بھی غلط ما ماسے بیگم تو بن گئیں۔ بڑی بی سے بڑی بیوی بن گئیں، اور کیا بس گی..... بڑے آئے اُن کے طرفدار...... کہا کرو نہ پھر کل سے بڑی بی۔"
قصہ مختصر چھوٹی بیوی کے یہ خیالات کہ جو کچھ بھی بڑی بیوی نے میرے ساتھ کیا وہ تو اُن کو کرنا ہی چاہیئے تھا کیوں؟ اس لئے کہ بارھو بہشتی بھی اُن سے نکاح نہیں کرتا۔ کجا میں: ایک سیّد زادہ! اور یہ کہ احسان میں نے کیا کہ انھوں نے؟ کیا یہ واقعہ نہیں کہ ایسی ایسی چھہ دس بڑھیوں کو نوعمر کنوارے سیّد زادے نہیں مل سکتے۔ اور لگا رکھی ہے رٹ۔ میاں کی خدمت خدمت، خدمت، بیوی میں بھی ہوں اور خدمت کرنا بھی جانتی ہوں پر جو تم یہ چاہو کہ تمہیں بچوں کی طرح کھلانے لگوں تو وہ رہا میرا گھر۔ تم ایک اچھوڑ دو بڑھیاں اور پکڑ لاؤ۔
اور پھر بڑی بیوی سے ایک دن کہا..... "نا بابا۔ ہم جو تمہاری عمر وں ہوتے تو بھلا کلیجے کو نابالغ لڑکوں کو تکتے پھرتے....."
پھر طرح طرح کے ریمارک :" ایسی خدمت تو کوئی بڑھیا بیوی ہی کر سکیگی" تمہیں تو بڑھیلے سے سابقہ پڑا ہے۔ تم کیا جانو جوان عورت کی قدر...... اے بڑھیا بیبیچ ذات کی بڑھیاں! خدا بچائے اللہ سے۔ ان ماماؤں سے! غضب خدا کا یہ عمر اور ماما سے بیگم بن گئیں۔"
قصہ مختصر ادھر تو یہ حال اور ادھر بڑی بیوی کا حال نہ پوچھئے۔ چھوٹی بیوی کے ہونے ہوئے وہ خود بھی میرے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا کب پسند کرتیں اللہ اللہ وہ دن بھی تھے کہ ہم دونوں بھی کبھی رات گئے تک بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں

کرتے رہتے تھے۔ یا اب یہ حال کہ دن بھر بڑی بی گھر کا کام کاج کرتیں۔ جھاڑو دینا۔ کھانا پکانا۔ برتن مانجنا۔ سارا کام وہ بدستور کرتیں۔ کبھی پہلے بھی انھوں نے نوکر نہ رکھا۔ یہ کیا رکھا یہ کہو کہ کوئی نوکرنی آئی وہ اپنے کام سے ان کو مطمئن نہ کرسکی۔ الغرض سارے گھر کا بیچاری کام کرتیں۔ رات کو اپنے حجرے میں الگ پڑ رہتیں۔ اور ان کے لئے اب بھی یہ امر باعث تفریح رہ گیا تھا کہ مجھ کو خوش و خرم دیکھیں۔

لیکن تاہم اس وقت تک ان کی بندگی اور بادشاہت قائم رہی جب تک سیاہ و سفید کی وہ مالک رہیں۔ لیکن وہ دن بھی آگیا کہ چھوٹی بیوی نے گھر میں اپنا سکہ چلانے کا اعلان کیا۔ آدھی تنخواہ لینے کا سوال اٹھایا۔ بڑی بیوی نے ہتھیار ڈال دیئے اور آدھی کے بجائے ساری سونپ دی۔ لیکن بہت جلد چھوٹی بیوی کو معلوم ہوگیا کہ یہ درد سر سے زائد کچھ نہیں۔ لہٰذا امور خانہ داری کا "پورٹ فولیو" باوجود بڑی بیوی کے استعفے کے چھوٹی بیوی نے خود ڈھیل ڈال کر بڑی چالاکی سے بڑی بیوی کے سر منڈھ دیا۔

میری دانست میں معاملات غالباً اس سے زیادہ تلخ صورت جلدی اختیار کرلیتے کیونکہ چھوٹی بیوی کا رویہ پھر بھی جارحانہ تھا۔ اور ایک انتہا سے زیادہ بیرحم اور بیدرد سوکن کی طرح وہ بڑی بیوی کو کھنچ کھنچ کر خوش ہوتی تھی۔ باوجود میری نیم گرم مزاحمت کے! لیکن اسی دوران میں چھوٹی بیوی نے بڑی بیوی کو بیچ مچ خوش کردیا۔ یعنی یہ کہ خدا نے ہمیں ایک بیٹا دیا۔ بڑی بیوی کی خوشی قابل دید نہیں بلکہ ناقابل دید ہوگئی۔ غالباً خود ان کے اولاد ہوتی تو وہ اتنی خوش نہ ہوتیں۔ ان کا بس نہ تھا کہ ماں سے بچہ چھین لیں۔ حد ہوگئی کہ دودھ پلانے کے علاوہ بچے کو ماں کے پاس ایک منٹ نہ چھوڑتیں۔ اس

کے لئے ایسی بیتاب رہتی تھیں کہ موقع ملا نہیں اور جھپٹ لے گئیں ایک ناتجربہ کار ماں کو اس سے بہتر خادم اور کون مل سکتا تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ چھوٹی بیوی کی وہ بدزبانی اور وہ تلخی بڑی بیوی کے ساتھ جاتی رہی وہ بھی اُس دن سے کہ ایک روز چھوٹی بیوی جو اپنے میکے گئی تو وہاں دو روز کے اندر اندر بچہ نے اتنا دق کیا کہ ہوش جاتے رہے، اور معلوم ہوا کہ کوئی رشتہ دار ایسا نہیں ہے۔ جو بڑی بیوی کی طرح بچہ پر فنا ہو جائے اور اُف نہ کہے بلکہ دیوانگی کے ساتھ بچہ سے اور بھی زیادہ محبت کرے۔

سال بھر بعد ایک اور لڑکا ہوا اور ڈیڑھ سال بعد ایک لڑکی ہوئی اس دوران میں چھوٹی بیوی اور بڑی بیوی میں ایک خاص درجہ تک بچوں کے سبب مصالحت کا رنگ رہا۔ لڑائی ہوئی اور خوب ہوئی۔ مگر اب بنائے مخاصمت بچے تھے۔ بچے ماں سے زیادہ بڑی بیوی سے ہلے ہوئے تھے۔ اور ماں کے پاس جب جلتے مارے جاتے۔ اور اسی پر وہ لڑائی ہوئی کہ خدا کی پناہ! اور اصل بڑی بیوی بچوں کو واقعی بگاڑے دیتی تھیں۔ اُن کی مرضی تھی کہ خواہ کچھ ہو جائے بچہ کو اگر مارا تو مجھ سے برا کوئی نہیں۔ مارنا تو بڑی چیز ہے گھورنے نہ دیں۔ اور بچے تھے کہ بدتمیز ہوئے چلے جاتے تھے۔ نتیجہ اس کا اچھا نہ نکلا۔

ایک دن بہت معمولی سی بات پر سخت لڑائی ہوئی۔ بات کا بتنگڑ ہو گیا بڑی بیوی ہمیشہ صبر سے کام لیتی تھیں، لیکن اس دفعہ وہ بھی پھٹ پڑیں۔ چھوٹی بیوی کی بدزبانی کا جواب بدزبانی سے دیا۔ مارنے مرنے پر آمادہ ہو گئیں زیادتی بڑی بیوی کی ضرور تھی۔ مجھے بڑی بیوی سے شکایت تھی کہ بچوں کو

بگاڑے دیتی ہیں۔ اور میں نے بھی چھوٹی بیوی کی طرفداری کی اور وہ
بھی غصہ میں ضرورت سے زیادہ۔ نتیجہ یہ کہ گرما گرمی میں میرے منہ سے بھی
چند ناگفتہ بہ الفاظ نکل گئے۔ مثلاً یہ کہ "آپ بچوں میں مت دخل دیجئے۔ بچے
ہمارے ہیں کچھ آپ کے نہیں ہیں۔ بچے ہیں اور ہمارے بچوں کو ......
..... ایسا ہی نہیں دیکھی جاتی آپ سے تجھی تو".......... چھوٹی بیوی نے
میرا جملہ پورا کیا کہ "راستہ دیکھئے اپنا"

جنگ کی گرمی میں کہنے کو تو میں کہہ گیا کیونکہ بڑی بیوی نے مجھے بھی
سب کچھ کہہ لیا تھا۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ انھوں نے جو کچھ بھی کہا اپنی بے لوث
محبت کے بل بوتے پر۔ اور ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ میں بھی شمشیر برہنہ
ہو جاؤں گا واقعہ دراصل یہ ہے کہ بڑی بیوی عرصہ سے ایک قدِ فاضل اور
کباب کی سی ہڈی ہو کر رہ گئی تھیں۔ لیکن مجھ کو یہ قطعی نہیں معلوم تھا کہ زبان
کا زخم اس قدر مہلک ہوگا۔ دو تین دن تو وہ کملائی کملائی سی رہیں۔ چھوٹی
بیوی نے ان سے سچ مچ بچے چھین لئے۔ خوب خوب انھیں مارا۔ میں چپ ہی رہا
مگر احساس مجھے ضرور ہوا کہ بات حد سے آگے جا رہی ہے اور بڑی بیوی سے
صلح کرنے ہی کو تھا کہ چوتھے روز انھوں نے خودکشی کرلی۔ نہ معلوم کہاں
سے بہت سی افیون منگا کر کھا کر پڑ رہیں۔ خبر ہم لوگوں کو صبح لگی جب معاملہ
ہاتھ سے جا چکا تھا۔ سب کچھ علاج کئے مگر بیکار۔ مرتے سے پہلے وہ صرف
اتنا کہہ سکیں کہ میں نے خود اپنا خاتمہ کیا ہے اور اپنا مال و متاع سب بچوں
کو دیتی ہوں اور روپیہ اور بنک کا روپیہ سب چھوٹی بیوی کو۔ مجھ سے بچے
چھین لئے میں زندہ نہیں رہ سکتی.... خدا کی پناہ! میں نے چھوٹی بیوی کی
طرف دیکھا اور اس نے میری طرف۔ کیا یہ واقعہ نہیں تھا کہ ہم دونوں ہی ناحق نہیں

کے ذمہ دار تھے! واقعہ ٹھوس حقیقت بن کر سامنے موجود تھا۔

قصہ کو اس طرح مختصر کرتا ہوں کہ اس خون ناحق کی تلافی ہمارے ہاتھ میں نہ تھی۔ میں اور خود چھوٹی بی روتے روتے دیوانی ہو گئی۔ ہائے اس فرشتہ سیرت عورت کی بے لوثی! ہم سے اس نے اپنا زیور اور روپیہ کیا نہیں چھپا کر رکھا ہمیشہ یہی کہا کہ میرا ہے۔ چھوٹی بیوی کو ہمیشہ یہی رونا رہا پر یہ نہ سوچا کہ یہ غریب لے کر کہاں جائے گی۔

اس نیک بی بی کی ہمارے ہاتھوں مٹی خراب ہونا لکھی تھی سو ہوئی لیکن نہیں ہمارے گھر کی خیر برکت بھی اسی کے دم سے تھی۔ اور بڑی بیوی کے مرتے ہی آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو گیا۔ مرنے والی کا میرا ساتھ قریب بارہ تیرہ برس کے رہا۔ اور اپنی بقیہ زندگی پر نظر ڈالتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ میری عمر کا یہ بہترین زمانہ گذرا۔ بڑی بیوی کی آمد جس طرح میرے لئے انقلاب عظیم ساتھ لائی تھی اسی طرح بدقسمتی یا خوش قسمتی سے ان کی موت بھی میرے لئے ایک عظیم الشان انقلاب ساتھ لائی۔ ایک ایسا انقلاب کہ جس کی رنگا رنگی و بوقلمونی کے ساتھ ایک نرالی کش مکش سے سابقہ پڑا۔

حصّہ دوئم

چمکی

نرالی تجویز

بڑی بیوی کے انتقال پُر ملال نے ایک نئی صورت حال پیدا کر دی
جو ہماری مختصر خانہ داری میں ایک مسئلہ لاینحل ہو کر رہ گئی۔ چھوٹی بیوی اوّل
تو ناتجربہ کار۔ یک دم سے جو سارا گھربار اور بچّوں کو سنبھالنا پڑا تو ہوش زائل
ہو گئے۔ بچّے بڑی بیوی سے مانوس تھے۔ اور پھر چھوٹی بیوی سے ویسے ہی
لاگ ڈانٹ رکھتے تھے اُدھر سارے گھر کا خانہ داری کا انتظام نتیجہ ظاہر
ہے کہ جب تک ملازمہ ملے ملے غدر ہو گیا لیکن حسب منشا نوکرنی کا ملنا ایک
وہ نعمت غیر مترقبہ ہے جس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ ع:

مری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے

غرض ہے کہ مشکل سے یا کسی طرح وہ کمبخت مل تو جاتی ہے، ملازمہ تو ملتی
ہی نہیں۔ جیسے دیکھو نا دبھا دیتا رہی ہے۔ آئی ہیں نوکری کرنے اور سیدھے
منہ بات بھی نہیں کرتیں۔ بار کر جھاگ مار کر رکھ بھی لو تو وہ مضمون کہ۔ کام کی
نہ کاج کی ڈھائی سیر اناج کی۔ اور پھر چھوٹی بیوی کیا کچھ نہ چاہتی۔ کوئی کام
کرتی ہے تو چور ہے۔ اور کوئی چور نہیں تو رات کو نہیں رہ سکتی۔ کوئی کام
کرتی ہے تو تنخواہ ایک گریجویٹ کی دو۔ پھر طرح طرح کی شکایتیں سے لو۔ کوئی

نوکروں سے جا کر اندر کی باتیں لگاتی ہے تو کوئی بچوں سے متنفر۔ نتیجہ یہ کہ یہ مسئلہ لاینحل ہو کر رہ گیا۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ لاکھ نوکرنی کام کی ہو پر ہماری نظروں میں کیا جچے۔ ہم تو بڑی بیوی کا کام دیکھے ہوئے تھے۔ چھوٹی بیوی بیچاری مرنے والی کو یاد کرتی تھی اور بیچ بیچ آٹھ آٹھ آنسو روتی تھی۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ ہمیشہ نوکرنیوں کی تلاش رہنے لگی۔ اور جب دیکھو ہمارا گھر نوکرنی نہ ہونے کے سبب الٹا پڑا ہے۔ چھوٹی بیوی کے عیش و آرام میں خلل پڑ گیا۔ کہاں تو یہ آسانی کہ بچے کو اٹھا کر پٹ دیا اور لے گئیں بڑی بیوی۔ بیمار پڑے تو ہماری بلا سے اور اچھا رہے تو ہماری بلا سے۔ اور اب حال ہوا دوسرا۔ لہٰذا ضرورت اور سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسی عورت مل جائے جو ہماری ہو کر رہ جائے۔ اور بس چلتا چھوٹی بیوی کا تو پھر کسی بڑھیا سے میرا نکاح کرا دیا ہوتا۔ دن رات میری جان کھاتی۔ میں کیا کرتا۔ اُدھر خود اس نے اپنی ہر ملنے جلنے والی سے نوکرنی کی رٹ لگا دی اور ادھر میں نے ہر ملنے جلنے والے سے کہہ رکھا کہ خیال رکھئے گا کوئی عورت ایسی ملے تو بہتر ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ ایسی عورت تو دیہات سے مل سکے گی۔ لہٰذا میں نے اس کا بھی خیال رکھا اور جہاں کہیں بھی دورے کے سلسلہ میں جانا ہوتا ہر کس و ناکس سے کہہ دیتا۔ یہ تلاش جاری ہی تھی اور آئے دن کی پریشانیوں سے چھوٹی بیوی ہی تنگ تھی کہ ایک عجیب تجویز پیش ہوئی۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک دیہات کا ملنے والا ذات کا داروغہ آیا راجپوتانہ میں داروغہ کے معنی ہیں غلام یعنی باندی زادے۔ جن کی عورتیں بطور باندیوں کے اب بھی رہتی ہیں۔ اس کے ساتھ میں نے یہ احسانِ عظیم کیا تھا کہ خاص اپنی کوشش سے اس کو ایک مقدمہ سے بچایا تھا جس میں

اس کو جیل ہو جاتی۔ اور پھر اپنے ایک دوست سے کہہ کر اس کو نمک کے محکمے میں چپراسی کرا دیا تھا۔ اور یہ خاص ترقی کے امیدوار تھے اور راہی لئے میرے پاس آئے تھے۔ دراصل ان حضرت سے ملاقات اس طرح ہوئی تھی کہ یہ گھی کی تجارت کرتے تھے اور مجھے گھی دیتے تھے اور "خالص" گھی کے سبب مقدمے میں پھنسے تھے۔ ایسے کہ اس تجارت ہی سے تائب ہو گئے۔ ان کا نام ہیرا تھا۔

ان سے جو میں نے اپنی ماما کی ضرورت کا ذکر کیا اور شرائط سنائیں نہ ایسی بوڑھی ہو کہ کام نہ کر سکے اور نہ ایسی جوان کہ چٹکیاں بجلائے۔ گھر کو گھر سمجھ کر رہے کوئی مزاجیا نہ ہو تو بہتر ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو انہوں نے سوچ سمجھ کر سر ہلایا۔ بولے کہ ایسی عورت ملنا ناممکن ہے۔ مگر ایک بچی ہے بشرطیکہ پسند ہو۔ وہ یہ کہ اُن کی رشتہ کی ایک بھانجی ہے۔ کنواری اور قبول صورت۔ کوئی پندرہ سولہ برس کی وہ حاضر ہے۔ گولی بنا کر رکھ لو۔ شرط یہ کہ سال میں دو جوڑے بنا کر دینا ہونگے۔ پچاس روپیہ کا چاندی کا زیور دینا ہوگا۔ دو روپے نقد اس کی ماں کو دینا ہوں گے۔ گھر کا سارا کام کاج کریگی۔ بیوی اور بچوں کی خدمت کریگی۔ کھانا پکائیگی۔ پانی بھر کر لائیگی۔ کام نہ کرے مار دیجیے پیٹو تنخواہ کچھ نہیں۔ مگر شرط کا کاغذ تحریر کرنا پڑیگا کہ اولاد اس سے ہو تو گذارے کی حقدار ہوگی۔ اور جو بے خطا اپنی مرضی سے نکال دیا تو دو سو روپیہ نقد رخصتی کے دینا پڑیں گے۔

لاحول ولا قوۃ۔ میں نے کہا "ابے۔ درد نہ کہہ بچے تونے بھی ہمیں کوئی ساہوکار یا جاگیردار سمجھا ہے جو ہم اس ناجائز بیہودگی کو گوارا کریں۔"

لیکن اس احمق کو دیکھئے۔ ہنستا ہے۔ کہتا ہے اس میں خفا ہونے کی کیا بات

بڑی مشکل سے ان حضرت کو میں نے سمجھایا کہ یہ سخت منع ہے اور سخت مذہبی اور
اخلاقی جرم ہے کہ بغیر نکاح کئے کسی عورت کو ڈال لیں۔ انتہا سے زیادہ لغو اور
ناشائستہ لوگ ہیں جو بے نکاحی عورت گھر میں ڈال لیں۔

اس کا یہ جواب ملا کہ اچھا ایسا ہی ہے تو نکاح کر لو۔ اور جو یہ کہا کہ ہندو
ذات کی کسی عورت سے نکاح ناممکن تو کہا کہ مسلمان کر لو۔ چلیے چھٹی ہوئی۔ ظاہر
ہے کہ اب کیا اعتراض کی گنجائش۔ مگر میں نے انکار کر دیا۔ یہ کہہ کر کہ گھر والی اس
بیہودگی کو پسند نہیں کر سکتی۔ یہ بات اس کی سمجھ میں بھی نہ آئی کہ ایسا بھی کسی
طرح ممکن ہے کہ گھر والی مرد کے اس قسم کے معاملات میں دخیل بھی ہو سکتی
ہے۔ اور نہ اس کی یہ سمجھ میں آیا کہ میری منکوحہ عورت ہو کر پھر وہ کسی طرح
بھی نہ تو باہر پھر سکے گی اور نہ گنوارو اور ہندوانہ لباس پہنے پانی بھرتی
پھرے گی۔ قصہ مختصر میں نے انکار کر دیا اور وہ چلا گیا۔

لیکن اب گھر میں آ کر جو یہ لطیفہ چھوٹی بیوی کو میں نے سنایا تو وہ چونک
کے بولی "سچ مچ" میں نے اس کے چہرہ کو دیکھا۔ یہ واقعہ تھا کہ وہ اس تجویز کو
پسند کرتی تھی۔ میں نے متعجب ہو کر کہا "ہوش میں بھی ہو کہ نہیں۔ کیا تم پسند
کرو گی کہ ایک جوان لڑکی سے میں نکاح کر لوں۔

وہ بولی "مجھے منظور ہے"۔

میں نے اول تو یقین نہ کیا۔ لیکن نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کو مزہ پڑ چکا
تھا سوکن کا سکھ اٹھائے ہوئے تھی۔ جانتی تھی کہ مار چوٹیوں کے سیدھا کر دوں گی
ایک مفت کی خادمہ ہاتھ آئے گی۔ پڑی رہے گی گھر میں باندیوں کی طرح دراصل
وہ خوب جانتی تھی کہ گھر کی مالکہ وہ ہے۔ یہ بھی جانتی تھی کہ میں اس کو کتنا چاہتا
ہوں۔ مال اور جائداد روپیہ پیسہ سب اسی کے نام ہے اور محبت کا میری یہ

حال ہے کہ آنکھ کے اشارے پر کٹھ پتلی کی طرح کام کرتا ہوں۔ میری اور میرے دل وجان کی مالک تھی۔ میرے پیارے بچوں کی ماں اور میری جان سے زیادہ پیاری بیوی۔ میں سچ مچ اس پر جان چھڑکتا تھا عقل کام نہ کرتی تھی کہ اس دنیا کی عزیز ترین چیز نے میرے اوپر کیسا جادو کر رکھا ہے۔ تین بچوں کی ماں ہو چکی تھی مگر میرے لئے وہی نئی نویلی دلھن اور عشق و محبت کا ایک شیریں خواب اور عیش و عشرت کا گنجینہ تھی جس نے میری زندگی میں نہ صرف ایک نئی روح پھونک دی تھی بلکہ میری جوانی کے نغمات کو پر کیف اور رنگین بنا دیا تھا۔ اور یہ واقعہ تھا کہ محض ایک اچھی نوکرانی نہ ملنے کے سبب خانہ داری کے جھگڑوں اور بچوں کے قضیوں نے لطف زندگی کرکرا کر دیا تھا۔ اور ان تمام باتوں کے علم اور احساس نے چھوٹی بیوی کو ایک قوت عطا کر دی تھی۔ جس کی بنا پر اس کو بھروسہ تھا کہ اس کی چھوٹی سی بادشاہت میں کسی کی مجال نہیں جو کوئی راہ سے بے راہ ہو جائے۔ اس کا خیال بھی صحیح تھا لیکن پھر بھی میں نے منع کر دیا بلکہ ہنسکر جھڑک دیا کہ پاگل تو ہو مت۔ اور جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو میں نے کہا کہ بہتر ہے۔ اپنے گھر والوں اور ملنے جلنے والوں سے مشورہ کر لو۔ جو سب کی رائے ہوگی تو پھر دیکھا جائے گا۔ اس طرح فی الحال تو یہ بات میں نے آئی گئی کر دی۔ لیکن چھوٹی بیوی نہیں بھولی۔ اس نے جس سے بھی ذکر کیا اس نے کہا کہ ایسا مت کرنا۔ اس کا جواب اس نے یہ دیا کہ تم کیا جانو۔ مجھے تجربہ ہے۔ تم لوگوں کو تجربہ نہیں۔ اور نہ تم میرے میاں کو یا اس کے مزاج کو سمجھ سکتی ہو۔ لوگوں نے بھی سمجھا کہ یہ حرکت ان کے گھر میں کوئی نئی نہیں۔ بھگتنے والی جانے۔ نفع نقصان کے پہلو ہر بات میں ہوں گے تو اس پر بھی ہیں۔ اور وہ تسلیم بھی ہیں لیکن ان کو تولنے اور برتنے کا بیشک کسی کو تجربہ نہیں

سچ تو کہتی ہے کہ میں خوب نبھانا جانتی ہوں۔ نتیجہ یہ کہ یا تو کسی نے زیادہ زور نہ دیا یا دیا تو چھوٹی بی نے اس کان سُن اُس کان اڑا دیا۔ اور ادھر ناطقہ ماماؤں کی ضرورت سے ویسے بند تھا۔ چنانچہ پڑ گئی میرے پیچھے کہ لاؤ ہیرا کو۔ چنانچہ میں نے اُسے بلایا۔ خود چھوٹی بی نے جملہ حالات تفصیل کے ساتھ معلوم کئے۔ خود طے کیا کہ جب ہماری مرضی ہوگی دو سو روپیہ دے کر نکال دیں گے اور اسے اطمینان دلایا کہ میں بڑے آرام سے رکھوں گی۔ گھر کے کام کی تفصیل بتائی۔ اُس کا کیا تھا وہ پہلے ہی راضی ہو گیا۔ نتیجہ یہ کہ ہیرا کو بھیجا کہ تم جا کر لڑکی کی ماں سے گفتگو کرو اور معاملہ طے ہو جائے تو ہمیں تار دینا ہم یہاں سے روپیہ لے کر آ جائیں گے۔

اب چھوٹی بیوی نے یہ طے کیا کہ ساڑھے تین سو روپیہ کا شرعی نکاح کر لینا جب جی چاہے گا طلاق دیدیں گے۔ میں نے بھی اب اس مسئلہ پر غور جو کیا تو سراسر فائدہ ہی نظر آیا۔ ذرا غور کیجئے گا بھلا کہاں ایسی نوکرانی مل سکتی ہے بغیر تنخواہ کی۔ چنانچہ خوب سوچ سمجھ کر ہیرا کو روانہ کر دیا۔

چمکی

تیسرے روز ہیرا کا تار آیا کہ آجاؤ۔ چھوٹی بیوی نے بچانے دو سو کے نقد صرف سو روپیہ طے کئے تھے۔ دراصل خود اس کی غرض مجھ سے اتنی تھی اور اپنی ترقی کرانا تھی لہٰذا وہ دل سے خواہاں تھا کہ یہ عجیب و غریب رشتہ داری قائم ہو جائے اور وہ سو روپیہ ہی پر معاملہ طے کر دینے کا وعدہ کر کے گیا تھا۔

چلتے وقت چھوٹی بیوی نے بڑی بیوی کا کچھ اوندھا سیدھا چاندی کا زیور تھا اس میں سے کئی چیزیں چھانٹ کر دیں کہ یہ چیزیں ساتھ لیتے جاؤ۔ کوئی پچاس ساٹھ روپے کا زیور ساتھ کر دیا۔

مجھے دراصل علاقہ بیکانیر کے ایک اجڑے گاؤں میں جانا تھا جو بیکانیر ریلوے کے ایک نہایت ہی چھوٹے سے اسٹیشن سے کوئی آٹھ دس کوس کے فاصلے پر تھا۔ میں نے اپنی روانگی کا تار دیا اور اسی روز چل کھڑا ہوا۔

اسٹیشن پر مجھے ہیرا ملا۔ میرے ساتھ نہایت ہی مختصر سامان تھا ایک اونٹ موجود تھا اور اس پر بیٹھ کر ہم دونوں روانہ ہوئے

ہمارا راستہ ویران اور سنسان ریگستانی علاقہ میں ہو کر تھا۔ بے برگ و گیاہ کا میدان تھا اور جہاں تک نظر کام کرتی تھی ریت کے ٹیلے ہی ٹیلے نظر

آتے تھے۔ ٹیلے جو آج یہاں ہیں اور صبح کی ہوا سے شام تک وہاں پہنچے۔ نہ کوئی سڑک بن کر قائم رہ سکتی ہے۔ نہ ریل نکل سکتی ہے۔ سوائے اونٹ کے کوئی دوسری سواری کام نہیں دیتی۔ سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے ہم گاؤں میں پہنچ گئے گاؤں کاہے کو۔ گنی چنی جھونپڑیوں کا انتہائی نہایت مختصر مجموعہ تھا اور یہ بھی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ لوگ یہاں رہتے آخر کس خوشی میں ہیں۔ ہر چہار طرف ہے کہ دھول اڑ رہی ہے۔ دو چار پختہ مکان کیا ہیں کھنڈر کہہ لیجئے۔ عجیب وغریب ترکیب سے پتھر استعمال کر کے کوٹھریاں بنائی ہیں۔ ایسے کہ غالباً بارش ہو تو سب اندر آجائے۔ اسی قسم کے ایک مکان کے آگے جا کر ہمارا اونٹ بٹھایا گیا ایک وسیع احاطہ تھا جس کی دیوار کانٹوں کی باڑ سے بنائی گئی تھی۔ اور اس احاطہ کے اندر گویا مکان تھا۔ مجھے لے جا کر ایک کوٹھری میں بٹھایا گیا جس میں اونٹ کے بالوں کی دری بچھی ہوئی تھی۔ اس پر ایک سرخ رنگ کا کھاروے کا گدا بچھا ہوا تھا۔ اور میرے پہونچتے ہی ایک بوسیدہ بیوہ آئی۔ سخت ہیبتناک گھونگٹ نکالے۔ ہاتھوں سے میں نے ضرور اندازہ لگایا کہ یہ محترمہ قطعی چڑیل ہیں یہ خیرت لڑکی کی ماں تھیں۔ اور فوراً انھوں نے میری خاطر مدارات کے ساتھ احکام نافذ کئے۔ جن کی تعمیل کے سلسلہ میں خود لڑکی پانی کا لوٹا لیکر آئی۔ لوٹا رکھ کر دونوں ہاتھ جوڑ کر اس نے مجھے سلام کیا۔ مجھے بتایا کہ صاحب "یہ چھوری ہے" اور میں نے اپنی اس عجیب وغریب بیوی کو اب سر سے پیر تک دیکھا۔ کوئی سولہ برس کی عمر۔ کھلتا ہوا گندمی یعنی دیہاتی گورا رنگ، ناک نقشہ بیحد سُبک اور سجل اور کافی دلکش۔ آنکھیں انتہا سے زیادہ چمکدار اور بڑی بلکہ خوبصورت، نہایت ہی تندرست، چھریرا بدن، میانہ سے ذرا نکلتا ہوا قد۔ نہایت ہی بھدے اور موٹے اور میلے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ ہاتھوں اور پیروں میں گلٹ کا زیور

ننگے پیر، ماتھے پر پتیل کا گول لٹو لٹکائے جس کو یہاں "بور" یا بیر کہتے ہیں۔ اس کا نام چمکی تھا۔

اس نے لوٹا پانی کا لا کر رکھ دیا اور چلی گئی۔ میں نے ہاتھ منہ دھویا۔ شام ہو گئی تھی اور میری طبیعت بجلکہ گسل مند تھی۔ مگر جی خوش ہو گیا۔ جب چائے آئی پودینہ اور دوسرے مصالحے ڈال کر آدھوں آدھ کا دودھ پڑی ہوئی چائے تھی لوٹا گرم چائے کا کپڑے سے پکڑے اور خالی تھالی دوسرے ہاتھ میں گویا چائے کی پیالی کے عوض تھالی تھی۔ میں نے اطمینان سے چائے پی۔ دو ایک اور حضرات آئے تھے وہ جھانک جھونک کر چلے گئے۔ دراصل میں نے ہی اشارہ کر دیا تھا کہ میں تنہائی پسند کروں گا۔

شب میں کام کی باتیں ہوئیں۔ چمکی کی ماں دروازے کے پاس بیٹھ گئی اور اس کا بھائی یعنی ہیرا میرے پاس بیٹھا تھا۔ مجھے بولنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ سننا ضرورت سے زیادہ معلوم ہوا کہ چمکی بڑی ہوشیار لڑکی ہے۔ بھینسوں اور کھیتوں کے کام سے لیکر ناچنا گانا ڈھول بجانا تک جانتی ہے۔ ترکاریاں پکا سکتی ہے گوشت تک پکاتی ہے۔ کپڑے بھی دھو لیتی ہے۔ محنت مشقت کا کام دن بھر کر سکتی ہے، بے عار ہے، بھولی ہے، بے زبان ہے، معصوم ہے۔ کھیل کود سے نفرت رکھتی ہے۔ پنکھے بنانا جانتی ہے، چارپائی بن لیتی ہے۔ سینے پرونے میں طاق ہے۔ ہر پنکھے میں گوٹ لگا کر اس میں رنگ برنگے گاڑھے کے پھندنے عجیب و غریب نفاست سے ٹانکتی ہے۔ میں نے نمونے دیکھے۔ پسند کئے۔ میرے بارے میں اس کی ماں کو بتایا گیا کہ رئیس اعظم ہوں اور چھوٹی بی کے اخلاق حمیدہ کا اس قدر مبالغہ سے ذکر کیا گیا کہ بیان سے باہر ہے۔ بتایا گیا کہ قطعی وہ مرکھنی نہیں ہیں بڑے آرام سے رکھیں گی۔ بچوں کے اوصاف حمیدہ بیان کئے گئے کہ رونے سے بچارہ

قطعی ناواقف اور چلنے سے نابلد ہیں۔ چمکی کو قطعی حیران نہیں کریں گے۔ کھانے کے بارے میں بتایا گیا کہ روزانہ دونوں وقت گوشت پکتا ہے۔ گھی کے خرچ کا حال وہ خود جانتے ہی تھے فوراً تصدیق کی۔ پھر یہ طے ہو گیا کہ جب چمکی کو دیکھنے آؤ گی کرایہ ملے گا۔ اور چمکی خود آتی جاتی رہے گی۔ پھر سچ پوچھئے تو خود چمکی کے ماموں یعنی ماں کا چچا زاد بھائی ہمیرا میرا ضامن ذمہ دار تھا۔ ڈر کا ہے کا گھر کا معاملہ تھا چنانچہ طے ہو گیا کہ کل صبح فوراً دو روپے کا اسٹامپ منگا لیا جائے اور اسی اونٹ پر نظامت کا عرائض نویس آ جائے۔ اور دستاویز تحریر ہو جائے اور چمکی کو لے کر میں چل دوں۔

دوسرے دن آدمی نظامت گیا اور دو اسٹامپ آئے۔ ایک پر میں نے لکھ دیا کہ میں تمہاری لڑکی چمکی کو اپنی عورت بنا کر رکھوں گا۔ کوئی تکلیف نہ دونگا پچاس کا زیور ابھی دیتا ہوں جو واپس نہ لوں گا۔ سال کے چار جوڑے بنوا دونگا چمکی گھر کا سارا کام کاج کریگی۔ عذر نہ کریگی۔ بیجا نہیں ماری جائیگی۔ ٹھیک چال چلن سے رہے گی۔ اولاد جو ہو گی وہ گذارا پائے گی اور اس کی پرورش میرے ذمہ ہو گی۔ چمکی کے ماں کے رشتہ داروں سے ملنے سے نہیں روکونگا۔ سال میں ایک دفعہ کا یا دو دفعہ کا چمکی کی ماں کا آنے جانے کا کرایہ دوں گا۔ چمکی کو ماں کے گھر سال میں ایک دفعہ بھیجوں گا اور کوئی روک ٹوک نہ کرونگا اگر نکالونگا تو دو سو روپیہ چمکی کو رخصتی کے دوں گا۔ بیجا نہیں نکالوں گا۔ تا دیباً موٹی لکڑی سے نہیں ماروں گا وغیرہ وغیرہ

دوسرا دستاویز میں نے برنبائے مآل اندیشی چمکی کی ماں سے لکھوا لیا کہ میں اپنی لڑکی چمکی کو راضی خوشی سے دیتی ہوں۔ سو روپیہ کا چمکی کے سبب قرضہ تھا جو رقم میں نے تم سے لی چمکی تمہاری ہو کر رہے گی اور آج سے تمہاری عورت

ہے۔ تم نے چمکی کو زیور وغیرہ بھی دیا، اور اس کو اپنی عورت بنا کر رکھو۔ تم کو اختیار ہے اور تم سے جو اقرار نامہ لکھا یا ہے اُس کی شرائط کی تم کو پابندی کرنا ہوگی چمکی کی سگی ماں اور جائز ولی ہوں۔ اور مختار کل ہوں۔ اور تم کو چمکی کو سونپ دیا ہے اور تم اس کے خاوند و مختار ہو۔

دستاویزات عرائض نویس کے رجسٹر میں باقاعدہ چڑھوا دیے گئے فریقین کے گواہوں کے روبرو دستخط ہو گئے۔ اور گواہوں کے روبرو میں نے روپیہ اور زیور سنبھلوا دیا۔ اور ماں نے چمکی کو سب کے سامنے مجھے سونپ دیا اس کام سے تیسرے پہر فراغت ہوئی۔ اب یہ طے ہوا کہ کل میں چمکی کو لے کر چلا جاؤں گا۔

لیکن شب میں ایک اور ہی معاملہ پیش آیا۔

رخنہ اندازی

اس گاؤں سے کچھ فاصلے پر ریگستان کے کنارے پہاڑیوں کا سلسلہ تھا اس کے دامن میں میلوں بنجر زمین چلی گئی تھی۔ جہاں دو چار جھونپڑے بھیلوں کے تھے جو اپنی بھیڑوں اور مویشیوں کے گلّے رکھتے تھے اور یہیں جھمکی کا کوئی رشتہ کا چچا بھی رہتا تھا۔ اس کا دور کا کوئی رشتہ تھا۔ اس کو شاید اس معاملہ کی خبر نہ تھی۔ تیسرے پہر کو جب معاملات طے ہو گئے تو گاؤں کا نائی آیا اور کچھ "دارو" کے لئے یعنی شراب کباب کے لئے انعام کے طور پر مانگا۔ میں نے دو روپے دیدیئے اُس نے دو چار نیچ ذات بانبیوں یعنی چماروں کو اطلاع کر دی اور وہ بھی آئے میں نے دو روپے اُن کو بھی دیدیئے۔ اور غالباً ان میں سے کسی نے جا کر جھمکی کے زبردستی کے چچا کو خبر کر دی کہ تمہاری بھاوج کا بھائی ہیرا آیا ہوا ہے جس نے جھمکی کو کسی کے ہاتھ بیچ دیا ہے۔ چنانچہ یہ جھمکی کا چچا نما موذی دوڑا۔

شام کو میں جنگل کی طرف سے واپس آ رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ہیرا کے ساتھ ٹہلتا میری طرف آ رہا ہے۔ ہیرا سے دراصل اس نے یہ کہا تھا کہ تم نے خود رقم لے کر اپنی بہن کو اُلو بنا کر لڑکی دیدی۔ لہٰذا کچھ روپیہ مجھ کو بھی دلواؤ ہیرا نے واقعہ بیان کیا کہ ایک کوڑی میں نے نہیں لی ہے۔ جو دیا ہے وہ بہن کو

دیا ہے۔ اس نے یقین نہ کیا اور اب یہ معاملہ میرے روبرو ہمیرا نے پیش کیا اب مجھے ایک اور حقیقت معلوم ہوئی۔ وہ یہ کہ جمکی کی منگنی عرصہ ہوا کسی اور جگہ طے ہو چکی تھی۔ پانچ سو روپے لڑکے والوں سے ٹھہرے تھے۔ پانچ سو میں سے دو سو روپے وہ دے چکے تھے اور اب اُن کے پاس کوڑی نہ تھی۔ نہ وہ بقایا روپیہ دیتے تھے اور نہ جمکی کی ماں لڑکی دیتی تھی۔ چالیس پچاس روپے کا زیور بھی جمکی کی ماں لے کر خرد برد کر چکی تھی۔ اور اب سوال یہ تھا کہ اگر جمکی کے چچا نے اُن کو خبر کروا دی تو بڑا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوگا۔ رہ گیا یہ امر کہ جمکی کے چچا کو کچھ دینا چاہئے یا نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ قاعدے سے کوڑی بھی نہ دینا چاہئے بطور رشوت کے دیا جائے تو اور بات ہے۔ اندیشہ تھا کہ کہیں ان لوگوں کو اطلاع نہ کر دے جو سن پائیں گے تو ریگستانی سرحد پر رہنے والے لوٹ مار کے عادی۔ ہمیشہ ور ڈاکو جھپٹ کے جمکی کو کہیں لے نہ جائیں۔ میں جمکی کے چچا سے ملا۔ میں کیا جواب دیتا۔ سوائے اس کے کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے گھر پر آؤ تو دے سکتا ہوں۔ بصورت دیگر یہاں رقعہ لکھوا لو۔ اس پر بھلا وہ کاہے کو راضی ہوتا۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ میں نے اُس کو کچھ نہیں دیا۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ دراصل ایک تیز رفتار اونٹ پر ایک آدمی کو اطلاع کے لئے بھیج بھی چکا تھا۔ اور یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی۔ جمکی کا چچا بے نیل و مرام واپس چلا گیا۔

رات کو مجھے خیال ہوا کہ واللہ اعلم خود جمکی بھی راضی ہے یا نہیں لہٰذا میں نے ہمیرا سے پوچھا۔ معلوم ہوا کہ نہ صرف وہ راضی ہے بلکہ اپنے حسابوں وہ لندن میں بیاہ دی گئی ہے۔ بہت پیشتر سے شہر میں رہنے اور ٹھاٹھ سے رہنے اور عیش و آرام سے بسر کرنے کا نقشہ اُس کے پیش نظر ہے۔ نہ معلوم کیا کیا پروگرام

مدِ نظر ہے۔ اور بطور اتمام حجت مجھ سے کہا کہ میں خود تصدیق کر لوں۔ میں نے سوچ سمجھ کر مناسب سمجھا۔ چمکی کو بلایا۔ میں چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ پاس ہی چمکی آکر بیٹھ گئی۔ ہیرا کو میں نے اشارہ کر دیا اور وہ اٹھ گیا۔ اور میں نے اب اس سے باتیں کیں۔ خوب اچھی طرح ٹھونک بجا کر پوچھا اور ہر طرح راضی پایا۔ بلکہ ضرورت سے زیادہ راضی اور ثابت قدم پایا۔ ساتھ ہی میں نے اس کو اچھی طرح اطمینان دلایا کہ بڑے آرام سے رکھوں گا۔ اور کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور اس کی آیندہ زندگی کے خوش گوار پہلوؤں کو گنایا۔ دراصل اس نے کبھی کوئی شہر تک نہ دیکھا۔ عمر میں صرف دو دفعہ ریل پر بیٹھی تھی۔ اور ریگستان کی چہار دیواری سے نکلنے کی بیحد مشتاق تھی۔

رات کا ذکر ہے کہ میں سو گیا تھا۔ کوئی آدھی رات آئی ہو گی کہ ہیرا نے مجھے جگایا۔ معتبر ذریعہ سے اس کو معلوم ہوا تھا کہ چمکی کے چچا نے مجھ سے کل ملنے سے قبل ہی ان لوگوں کو اطلاع کرانے آدمی بھیجدیا تھا۔ جو چمکی کے دعویدار تھے وہ لوگ کون تھے؟ خود وہ شخص جو چمکی کا دعویدار تھا دو دفعہ کی ڈکیتی میں سزا یافتہ۔ اور دوسرے رشتہ دار مویشی چرانے اور اسی قسم کے دھندے کرنے کے ماہر تھے۔ غرض اندیشہ تھا کہ عجب نہیں کہ راہ میں ہمیں دھر لیں اور چمکی کو چھین لیں۔ یا عجب نہیں کہ رات ہی میں یہاں پہنچیں اور نتیجہ یہ ہو کہ یہاں سے روانگی ہی مشکل ہو جائے۔ میں یہ خبر سن کر سخت پریشان ہو گیا۔ سوال یہ تھا کہ کیا کرنا چاہیے۔ بعد غور و خوض کے یہ تجویز ہوئی کہ قبل از وقت رات ہی میں نکل چلنا چاہیے۔ اور وہ بھی انتہائی خاموشی کے ساتھ (رخصتی کا رونا ملتوی کر کے) رات کے چار بجے ہم دو اونٹوں پر روانہ ہوئے۔ ایک اونٹ پر میں نے چمکی کو آگے بٹھایا اور خود پیچھے کے آسن پر بیٹھا۔ دوسرے اونٹ پر ایک اونٹ والا

اور ہیرا بیٹھا۔ ان کا اونٹ آگے اور ہمارا پیچھے اور رات ہی میں ہم تاروں کی چھاؤں میں چل پڑے سیدھے راستہ کو بائیں طرف چھوڑا اور قاری راستہ کاٹ کر پہاڑی کے دامن کے سہارے سہارے خاصی رفتار سے اونٹ چھوڑ دیئے

راستہ کا اول حصہ اچھی طرح کٹا لیکن ہم کو نہیں معلوم تھا کہ دشمن ہمارے تعاقب میں چلے آتے ہیں۔ یہاں تعاقب کرنے کا طریقہ بھی خوب ہے۔ پیچھے پیچھے نہیں جاتے بلکہ راستہ چھوڑ کر آگے نکل کر سامنے سے یا بازو سے پکڑتے ہیں۔ وہ اونٹوں پر چار آدمی تلواروں سے مسلح ہو کر ہمارے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ سیدھے راستہ پر پڑ کر انھوں نے اپنے اونٹ چھوڑ دیئے۔ ہم سے آگے نکل کر راستہ کاٹا۔ اور جب دائرہ بنا کر دیکھا کہ ہمارے اونٹوں کے نشان نہیں ملے تو سیدھے ہماری طرف جھک پڑے۔ نتیجہ یہ کہ پو پھٹنے سے قبل ہی ہیرا بائیں طرف فاصلے سے دیکھ لیا کہ تعاقب کرتے والے آتے ہیں۔ کیونکہ تعاقب کرنے کے ریگستانی اصول کے مطابق اس سمت سے ان کے آنے کی توقع تھی۔ بہت جلد اونٹوں کو ہم نے صاف دیکھ لیا۔ بہتر وقت ہم نے مشورہ میں گنوایا۔ نتیجہ یہ کہ اندھیاری کے بھوت کی طرح ریت اچھالتے اونٹ ہمارے قریب پہنچے۔ اونٹ والوں نے نعرہ مار کر للکارا۔ میں نے زین سے لٹکی ہوئی سروہی سونت لی۔ رکاب پر کھڑے ہو کر ایک دفعہ تو دیکھا۔ اب ہیرا کی بزدلی ملاحظہ ہو کہ پکارتا ہے کہ ٹھہر جاؤ۔ چشم زدن میں ایک اونٹ اس کی آڑ میں آگیا۔ میں کیا کرتا اس طرح تو مجھی کو چھوڑنے والا نہ تھا۔ اونٹ میرا مضبوط تھا۔ میں نے اللہ کا نام لیکر نکیل اس کی داہنی طرف موڑی اور پوری رفتار سے اونٹ میدان میں چھوڑ دیا۔ سیدھا پہاڑیوں کے سلسلے کی طرف اور دشمن ہمارے پیچھے۔ خوش قسمتی سمجھئے کہ فقط ایک اونٹ نے ہمارا تعاقب کیا۔ دوسرا ہیرا کو گھیرنے میں رہا۔ مجھ کو فاصلہ کافی مل گیا

تھا۔ اور میں اونٹ کو یا اونٹ مجھ کو سچ مچ لے اڑا۔

کوئی آدھ گھنٹہ کی دوا دوش کے بعد آگے کا راستہ بند نظر آیا کیونکہ زمین سنگلاخ اور پہاڑی آرہی تھی۔ اور صبح ہو رہی تھی۔ کوئی تین فرلانگ کا ہمارا تعاقب کرنے والوں سے فاصلہ رہ گیا تھا کہ میں نے اونٹ کا رُخ سیدھا پہاڑی کی طرف کر دیا۔ سوائے اس کے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

جن لوگوں نے کوہ اراولی کی پہاڑیاں دیکھی ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر موقعہ مل جائے تو ان پہاڑیوں میں آدمی ایسا چھپ جائے کہ ڈھونڈھے سے نہ ملے۔ ایک جگہ درے کی صورت بنتی تھی۔ میں نے اسی طرف کا رخ کیا دوسرا چارہ کار نہ تھا۔ اونٹ کو بٹھا کر جھٹ سے میں نے چھگی کو اتارا۔ اور ہم دونوں سیدھے پہاڑی کے ڈھلوان راستے پر چڑھ گئے۔ یہ خوب ہوا کہ اونٹ چھوٹتے ہی بھاگ گیا۔ ورنہ دشمن معلوم کر لیتے کہ ہم کہاں اترے ہیں۔ اب میں نے ایک جھاڑی میں سے دیکھا کہ ہمارے تعاقب کرنے والے ہمارے سامنے سے تیزی سے نکلے چلے گئے۔ میں نے چھگی کا ہاتھ پکڑا اور اس کو لے کر جلد سے جلد آڑ میں روپوش ہو گیا۔ تھوڑی ہی دور جا کر تعاقب کرنے والوں نے ہمارا خالی اونٹ دیکھ لیا اور میں نے پہاڑی کی بلندی پر سے دیکھا کہ چاروں طرف متعجب ہو کر دیکھ رہے ہیں۔ یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ ہم کس جگہ اُترے ہیں۔

لیکن ان جنگلی لوگوں سے بھلا ہماری کیا چلتی۔ مگر جدھر انھوں نے اندازہ لگایا وہاں سے ہم دور تھے۔ میں نے دیکھا کہ پہلے تو دو نوکر انھوں نے میرا اونٹ پکڑا۔ اور اس کی تلاشی لی پھر دونوں اونٹ کو لے کر پہاڑی کے دامن میں آئے۔ ایک طرف جلنے کا راستہ اوپر کی طرف تھا۔ اور یہ راستہ پہاڑ کے اس حصہ کی طرف جاتا تھا جہاں چھپنے کے لئے بہترین غار تھے۔ چنانچہ یہ احمق یہ سمجھے کہ ہم اس

طرف سگئے ہوں گے حالانکہ میں تو گھبراہٹ میں آنکھ میچ کر اندھادھند چڑھ گیا تھا اور مجھ کو کیا معلوم کہ اس جگہ کون سا مقام چھپنے کے لئے عمدہ ہے

صبح ہو چکی تھی اور سورج نکل رہا تھا۔ ان دونوں موذیوں نے اونٹ ایک جھاڑی سے باندھے اور تیزی سے چڑھنے لگے۔ ان کا راستہ آسان اور صاف تھا اور میں نے دیکھا کہ وہ سیدھے اسی طرف چلے جا رہے تھے جدھر چھپنے کے مقامات دکھائی دے رہے تھے۔ اور میں اُدھر جگی کا ہاتھ پکڑے صرف ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھا تھا۔ نظر میری ان کی طرف لگی تھی۔ چشم زدن میں بڑے بڑے پتھروں کی آڑ میں وہ اوجھل ہو گئے۔ کوئی پندرہ منٹ کے وقفہ کے بعد میں نے پھر جو ان کو دیکھا تو ایک بلند تر مقام پر تھے۔ آپس میں مشورہ کیا اور ہاتھ کا اشارہ ایک نے دوسرے کو کیا جس سے معلوم ہوا کہ فلاں سمت اختیار کریں گے۔ فوراً پھر نظروں سے اوجھل ہو گئے

اب میں ان پہاڑوں کی ساخت بھی بتانا چاہتا ہوں۔ سرخ رنگ کے پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ جگہ جگہ سوائے چند بے حیا خاردار جھاڑیوں کے یا اکا دکا دوسرے اسی قسم کے سخت جان درخت کے سبزی کا نام نہ تھا۔ جگہ جگہ سخت ناہموار اور پتھریلے راستے تھے سیکڑوں اور ہزاروں من کے بڑے بڑے پتھر جگہ جگہ پڑے تھے۔ ہر چہار طرف سے ناہموار راستے نیچے جاتے تھے۔ چھوٹے بڑے پتھر، لاکھوں کروڑوں من سارے میں بکھرے ہوئے تھے۔ جہاں ہم کھڑے ہوئے تھے اس کی پشت کی طرف تھوڑی دور ہٹ کر پھر ایک سخت ناہموار اور خطرناک ڈھال تھا جو پہاڑ کی گویا دوسری منزل تک چلا گیا تھا۔

میں نظر جمائے اسی طرف دیکھ رہا تھا جس طرف یہ دونوں غائب ہو گئے

تھے کہ ایک دم سے دونوں ایک قریب کی پہاڑی پر نظر آئے ۔ اور وہاں سے
جو راستہ انھوں نے اختیار کیا ہے اس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ ہماری
پشت کی طرف نہ جا نکلیں ۔ اور پھر چوٹی پر اگر چڑھ کر دیکھا تو ہم کسی طرح اپنے کو نہ
چھپا نہ سکیں گے ۔ اس اندیشہ سے مجھے سخت تشویش ہوئی اور میں اسی فکر میں تھا
کہ کیا کروں اور نظر گڑائے اسی جگہ گھور رہا تھا کہ جہاں میرے اندازے کے مطابق
یہ نکلنے والے تھے کہ ایک دم سے میں چونک پڑا ! وہ دونوں موذی تو ہمارے
سر پر تھے ! چوٹی پر پہنچے اور ہمیں دیکھتے ہی ایک دم سے اُن کے منھ سے ایک
چیخ نکلی ۔ میں خود گھبرا گیا ۔ حواس باختہ ہو کر میں نے ! دھر اُدھر دیکھا ۔ اب یہ
دونوں سامنے سے اتر کر آئیں گے ۔ سامنے اونٹ بندھے تھے ۔ کوئی دو ڈھائی
فرلانگ کے فاصلہ پر ۔ صرف اسی میں ہماری بچت تھی کہ ان سے پہلے اونٹوں
کے پاس پہنچ جائیں ۔ اگر کوشش کی جائے تو یہ ناممکن نہ تھا ۔ پھر دوسرا چارہ
ہی کیا تھا ۔ چنانچہ اُدھر وہ دوڑے ہیں ہماری طرف ۔ اور ادھر ہم اترے
نیچے ۔ چڑھنے کی نسبت اترنا دشوار ہے ۔ وہ ٹھہرے جنگلی اور میں اس کا عادی
نہیں مگر جس طرح بن پڑا بھاگا ۔ وہ بھی اس تیزی سے کہ جگہ بہ جگہ گرتے گرتے
بچا ۔ مگر وہ دونوں اس تیزی سے آرہے تھے کہ بیان نہیں کر سکتا ۔ اور پھر
ہماری نیت سے وہ آگاہ ہو گئے ۔ اور ہماری سیدھ چھوڑ کر انھوں نے بھی
وہ راستہ پکڑا کہ اونٹوں کے پاس پہلے پہونچ جائیں ۔ اب گویا ایک دوڑ تھی
ہم دونوں ان سے قبل پہاڑ سے نیچے آ گئے اور پورے ایک فرلانگ کا فاصلہ
ہمیں مل گیا ۔ واہ ری جنگلی لڑکی ! دوڑنے میں مجھ سے بھی چار قدم آگے تھی ۔ ایسا
بے تحاشا میں شاید کبھی نہ دوڑا ہونگا ۔ راستہ میلوں کا بن گیا ۔ جس طرح بن پڑا
طے کیا ۔ جھٹ سے میں نے اپنا اونٹ کھولا ۔ اب بٹھاتا ہوں باجی کو تو بلبلاتا ہے

کمبخت بیٹھتا نہیں اور رلے رہا ہے چوکڑیاں اور دشمن ہیں کہ بخار کی طرح چڑھتے چلے آرہے ہیں۔ الہٰی کیا کروں! لیکن جوں توں جھٹک کر اونٹ کو بٹھا پایا۔ اور کوئی سو گز کا فاصلہ رہ گیا ہوگا کہ میں نے اپنی سروہی نیام سے کھینچی اور دشمن کے اونٹ کی داہنی کونچ پر بیدردی سے اس زور کا ہاتھ دیا ہی کہ ایک خوفناک بلبلاہٹ کے ساتھ بیٹھ گیا چشم زدن میں میں نے چمکی کے اپنے اونٹ کی کاٹھی پر پہنچا۔ جب تک اونٹ اٹھے اٹھے دشمن ہم سے پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر تلواریں سونت کر آ گئے تھے۔ میں نے کس کر اونٹ کو چھڑی جو ماری تو گڑگڑاتا ہوا ذرا اچکرایا۔ اور پھر جو سمجھا گا ہے تو ایسا کہ اگر سامنے سے ہٹ نہ جائیں تو دونوں کو میں نے کچل ہی دیا تھا۔ ہوا میں تلواریں چل کر ان کی رہ گئیں۔ اور میں چشم زدن میں ریگستان میں ہوا ہو گیا

شکست

میری منزل مقصود اسٹیشن تھا، اور اگر چمکی ساتھ نہ ہوتی تو نہ معلوم کدھر نکل جاتا۔ کیونکہ جس طرف سے ہم بھاگے تھے اُدھر جانے کا خیال ہی نہ تھا مبادا کہ دوسرے اونٹ والے نہ مل جائیں واللہ اعلم وہ کدھر گئے اور ہیرا کہاں گیا۔ چمکی نے راستہ کی غلطی کو بتایا۔ اور میں نے اب اسٹیشن کا رخ کیا۔ اب ان بدمعاشوں کی سنئے جو پیچھے رہ گئے تھے یہاں اسٹیشن پر آکر اوّل تو انھوں نے اسٹیشن ماسٹر کو بلا لیا اُن کو کب گوارا تھا کہ ایک اجنبی اس طرح لڑکی لیجائے انھوں نے آدمی دوڑا کر ایک طوفان زدہ کانسٹبل کو بلا لیا۔ اور نظامت میں تار علیحدہ دلوا دیئے۔ قصہ مختصر یہ کہ موذی میرے انتظار ہی میں تھے کہ میں اسٹیشن پہنچا۔ ہیرا کا حال سنئے۔ اس مخمصہ سے نکلنے کے لئے وہ حضرت بے تعلق ہو کر بھاگ گئے۔ اس شرط پر کہ ان کے خلاف کوئی کشاکش نہ کی جائے۔ میرا اونٹ پہنچتے ہی یہ لوگ چاروں طرف سے آگئے۔ اوروں کو تو میں جانتا نہیں تھا لیکن چمکی کے نام نہاد رشتہ کے چچا کو میں نے پہچان لیا اب میں نے غلطی محسوس کی کہ میں نے قطعی غور نہیں کیا۔ مجھ کو بیشتر سے معلوم ہوتا چاہئے تھا کہ دشمن اسٹیشن پر ہوں گے۔ ذرا غور نہ کیا۔ وہ بھی دراصل اس وجہ

میرے گمان کو نہیں معلوم تھا کہ اسٹیشن ماسٹر وغیرہ وغیرہ سب مل جائیں گے میرے
اترتے ہی سوالات کئے گئے ۔ میں نے سچا سچا قصہ بیان کر کے دستاویز دکھایا۔
جس کا جواب چمکی کے چچا نے یہ دیا کہ یہ سب جھوٹ اور غلط ہے ۔ و نیز یہ کہ ماں
کو میرے ہوتے ہوئے کوئی اختیار نہیں جو لڑکی کو اس طرح کسی کو دیدے ۔ یہ
علاوہ کہ لڑکی نابالغ نہیں ہے اور یہ چچا نہیں ہے طے نہیں ہو سکتا ۔ مطلب
یہ کہ فی الحال مجھ کو بتایا گیا کہ پولیس تھانہ چلنا پڑے گا ۔ بلکہ پہلی گاڑی سے
خود تھانہ دار صاحب آتے ہوں گے ۔ یہ سنتے ہی میں سخت گھبرایا ۔ یا اللہ میں کیا
کروں جو پولیس نے حراست میں لے لیا تو یہاں تو کوئی ضامن بھی نہ ملے گا ۔ یہ تو
طے ہے کہ میں عدالت میں پہنچتے ہی چھوٹ جاؤنگا ۔ کچھ عجب نہیں اگر انصاف
کریں تو میں پولیس سے ہی چھوٹ جاؤں ۔ لیکن سوال یہ ہے پولیس والے کیا چمکی
کی ماں ۔ ہیرا اور دوسرے لوگوں کے بیانات لینے سے پیشتر تو مجھے چھوڑنے
سے رہے ۔ اور جو ان کے جی میں آگئی تو فراری کا مقدمہ قائم کر کے مجھے حراست
میں لیکر اپنے آہستہ آہستہ مہینہ بھر تک تفتیش جاری رکھیں گے ۔ سوال تھا کہ
ایسے موقعہ پر اب مجھے کیا کرنا چاہیے ۔ کیا یہ کسی طرح ممکن تھا کہ میں چمکی کو چھوڑ چھاڑ
بھاگ جاؤں ۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب بیانات کو صحیح مان کر کہہ رہے تھے کہ "جی
ہاں مگر تحقیقات کرنا بھی تو ضروری ہے"۔ بظاہر مجھ سے ہمدردی کر رہے تھے
اور میں جانتا تھا کہ یہ ریاکاری کر رہا ہے ۔ لیکن میں نے بھاگ جانے کا کوئی
ارادہ ظاہر نہ کیا ۔ دشمن کے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی ۔
مگر یہ بھی اندیشہ تھا کہ وہ بھی پیدل رگڑتے ہوئے آتے ہوں گے چمکی کو اسٹیشن
ماسٹر صاحب نے اپنے کمرے میں بٹھا دیا کیونکہ میں کسی طرح گوارا نہ کرتا تھا کہ وہ دشمنوں
کے قبضہ میں جائے ۔ اور خود اسٹیشن ماسٹر صاحب سے باتوں میں لگ گیا اور

باتیں بھی اس قسم کی کہ سب کو اندازہ لگ جائے کہ چکی کو چھوڑ کر میں کسی طرح بھی نہ جاؤں گا خواہ کچھ بھی ہو جائے ۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ میں بڑی سے بڑی عدالت تک لڑوں گا ۔ میں نے دیکھا کہ سب میرے جوش وخروش سے اندازہ لگا چکے ہیں کہ چکی کو چھوڑ کر میں نہیں جاؤں گا اور کسی کو میرے بھاگ جانے کا شبہ تک نہیں رہا ۔ میں نے ادھر اُدھر ٹہلنا شروع کیا اور دیکھا کہ کسی کو شبہ نہیں ہے ۔ باہر نکلا تو کانسٹبل نے میرے اوپر نظر رکھی ۔ یہ ایک چھوٹی سی پولیس چوکی کا کانسٹبل تھا ۔ تھوڑی دیر میں اس کا بھی شبہ جاتا رہا ۔ کیونکہ میں کئی دفعہ آیا اور گیا ۔ اور ادھر اُدھر گھوما ۔ ایک دم سے میں نے دیکھا کہ یہ موقعہ لپک کر میں اپنے اونٹ کے پاس پہنچا اور چشم زدن میں بیٹھ کر ہوا ہو گیا ایک غل مچا ۔ اور میں نے دیکھا کہ لوگ میرے تعاقب کی نیت سے اونٹوں کی طرف دوڑے مگر میں نکل چکا تھا اور مجھے بھاگنے کے لئے کافی فاصلہ مل گیا مگر تعاقب کرنے والے بھی بلا کے تھے ۔ میں نے اونٹ کی رفتار ایسی رکھی تھی کہ تعاقب کرنے والے میری گرد کو بھی نہ پا سکیں اور میں ریل کی پٹری کے سہارے سہارے بھاگ گیا تھا ۔ کیونکہ مجھ کو معلوم تھا کہ اگر میں نے ٹھیک رفتار قائم رکھی تو میں کسی نہ کسی طرح بیکانیر کی سرحد پار کر جاؤں گا میری سانڈنی بڑے دم خم کی تھی اور میں اس رفتار سے چلا تھا کہ آدھ گھنٹہ گذر گیا اور میں نے تعاقب کرنے والوں کو بار بار مڑ کر دیکھا مگر نظر نہ آئے ۔ حتیٰ کہ مجھے شبہ ہوا کہ واپس لوٹ گئے ۔ مجھے سخت پیاس لگ رہی تھی اور کاٹھی میں بیکانیری بادلہ (چھاگل) بندھا ہوا تھا میں نے اونٹ روکا گلاس اٹھایا ہی تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ فاصلے پر میرے تعاقب کرنے والوں کا اونٹ نظر آیا ۔ ریگستان کے خاص حربہ کا خیال آیا ۔ فوراً میں نے ریت سے گلاس کو بھر لیا ۔ جیب میں گلاس رکھ کر جھٹ سے بیٹھ کر

پھر پوری تیزی سے روانہ ہو گیا۔ اور اسی صبا رفتاری میں ایک جنگلی آدمی سے میں نے ہاتھ اٹھا کر راہ پوچھی اس نے سر ہلا کر بتایا جس سے مجھے تصدیق ہو گئی کہ میں ٹھیک سرحد کی طرف جا رہا ہوں۔ میں نے مڑ کر اب تعاقب کرنے والوں کو دیکھا۔ وہ آدمی تھے۔ سوال یہ تھا کہ اگر میں نہ بھی بھاگوں تو یہ میرا کیا کر سکتے ہیں۔ گرفتار کرنے کا سوال ہی نہ تھا۔ پھر بھاگنے کی بھی حد ہوتی ہے حملہ کرنے سے رہے کیونکہ ایک آدمی وہی کانسٹبل تھا۔ رہ گیا دوسرا تو سوال یہ تھا کہ تلوار میرے ہاتھ میں۔ میں کون اور وہ کون؟ لاحول ولا قوۃ۔ ایک سید زادہ اور ایک غلام اس کا پیچھا کرے۔ فوراً میں نے سانڈنی کو روک کر کاوا دے کر گھمایا۔ چشم زدن میں ہم دونوں آمنے سامنے تھے وہ اونٹ قریب لانے لگا تو میں نے سروہی نیام سے سونت کر کہا "خبردار ...... ذرا الگ رہنا بولو کیا چاہتے ہو۔ میں نے تمہاری لڑکی کو چھوڑ دیا۔ اب کیا چاہتے ہو؟"

اس کے جواب میں وہ حضرت اونٹ اپنا بدکا کر بغل میں آ گئے۔ اب میں نے سوچا کہ یہ یوں نہ مانیں گے۔ اپنے اونٹ کو قدرے پیچھے دیا کہ میں نے ایک دم سے کاوا دے کر گھمایا جیسے روانہ ہو گیا اور ایک دم سے جھونک کے ساتھ انہوں نے اپنا اونٹ بڑھایا ہے کہ میں نے ریت بھرا گلاس جیب سے لے کر ذرا نکیل کو سہارا دے کر مارا جو ہے ریت کا "چھپکا" کانسٹبل کے منہ پر تو آنکھیں پٹ ہو گئیں آنکھ۔ ناک اور منہ سب ہی ریت اور غبار میں اٹ گئے اور اب میں نے سوچا کہ ہی موقعہ۔ لہٰذا تلوار سونت کر میں آیا اُن کے بائیں۔ ورنہ بھی آنکھیں مشتعل کئے گالیاں دے رہا تھا۔ میں نے پھر کہا۔

"اگر تم لوٹ جاؤ تو بہتر ہے ..... میں تم کو دس روپے بھی دیتا ہوں۔ ورنہ یاد رکھو میں تم دونوں کو مار دوں گا۔"

مجھ کو نہیں معلوم تھا کہ دس روپے میں اتنا زور ہے۔ فوراً دوسرا بولا: "اور مجھے کیا دو گے!" گویا یہ دس روپے تو کانسٹبل صاحب کے ہوئے جو اپنی آنکھیں مچکا مچکا کر پل رہے تھے۔

میں نے کہا: "کل دس روپے ہیں۔ مگر پانچ روپے میں تم کو اور دوں گا۔ بشرطیکہ دونوں دھرم کی قسم اور روبان کی آن کی قسم کھاؤ کہ میرے پیچھے اب نہ پڑو گے اور جا کر کہہ دو گے کہ میں نہیں ہاتھ آیا۔"

فوراً دونوں راضی ہو گئے۔ میں نے دو نوٹ جیب سے نکال لئے اور ان سے کہا کہ قسم کھاؤ۔ کانسٹبل نے ذرا تامل کیا۔ لیکن پھر دونوں نے قسم کھا لی میں نے نوٹ نیچے پھینک دیئے اور چل دیا۔ مڑ کر دیکھا تو دونوں مطمئن تھے۔ اونٹ الگ کھڑا تھا۔ میرا تعاقب کرنے کا ان کا ارادہ بھی نہ تھا۔ میں ان کو دیکھتا رہا حتی کہ دور نکل گیا۔ اور میں نے دیکھا وہ اونٹ پر چڑھ کر واپس چل دیئے اور میں نے اب اطمینان کا سانس لیا۔

لیکن اب مجھے اپنی شکست کا احساس ہوا۔ ذرا غور کیجئے گا کہ اتنا روپیہ خرچ کیا۔ حیران ہوا۔ ذلت اٹھائی، الٹی آنتیں گلے پڑی تھیں، خدا خدا کر کے مصیبت سے جان چھوٹی۔ اب ذرا میری پستی اور شکست کا اندازہ لگائیے گا سوائے اس کے کیا چارہ تھا کہ اگلے اسٹیشن پر پہنچ کر ریل ورام گھر سدھاروں ایک جی میں آتا کہ لوٹ پڑوں اور پورا جھگڑا کروں لیکن نتیجہ کچھ نہ نظر آیا۔ آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا بھوک سے علیحدہ پریشان کہ ایک شخص نظر آیا۔ اس سے راہ دریافت کی۔ آس پاس کے دیہات کا پتہ لگایا۔ اگلا اسٹیشن قریب ہی تھا مگر یہ سوال تھا کہ اونٹ کا پھر کیا ہو گا۔ لہٰذا دریافت پر معلوم ہوا کہ جودھپور کی سرحد کا ریلوے اسٹیشن سوجان گڑھ وہاں سے زیادہ دور نہیں۔ یعنی شب تک وہاں پہنچ

جانا ممکن ہے۔ سوجان گڑھ میں ایک سنار کو جانتا تھا۔ اور ممکن تھا کہ وہاں رات بسر
کر کے اونٹ سپرد کر کے واپس چل دوں۔ چنانچہ اسی پروگرام پر عمل کیا۔ بیچ کا قصہ چھوڑتا
ہوں کہ کہاں کھانا کھایا اور کیا دقتیں اٹھا کر رات گئے سوجان گڑھ پہنچا۔ شب
وہیں بسر کی اور دوسرے دن شام کی گاڑی سے روانگی کے ارادے سے اسٹیشن پہنچا
اب اسٹیشن کے سامنے دھرم شالہ کی طرف مڑتا جو ہوں تو میرا اونٹ جھکی اور جھکی کی
ماں سے لگ گیا ہوتا۔ ارے! میرے منہ سے ایک دم نکلا۔ یہ کیا۔ دراصل سامنے فاصلہ
پر مخالف پارٹی والے میں پولیس والوں کے دکان پر بوریاں لے رہے تھے۔
تفتیشی کارروائی کے لئے معاملہ اس نوبت پر پہنچا تھا۔ چشم زدن میں اونٹ سے
میں کود پڑا۔ اونٹ بٹھانے کی دیر تھی۔ جھکی کو اگلی کاٹھی پر ڈال پیچھے میں بیٹھا ہی تھا
کہ مخالف بھی تو سامنے ہی تھے۔ دوڑ پڑے کہ لینا! مگر میرا اونٹ اٹھ چکا تھا چکر کر
میں نے اونٹ موڑا اور لے کر جو ہوا ہوا ہوں تو پندرہ سکنڈ میں بیکانیر سرحد پار
کر چکا تھا ریل کی پٹڑی کے اس طرف جودھپور کی سرحد تھی اور اس طرف بیکانیر
کا علاقہ۔ قریب کا گاؤں میں جانتا ہی تھا۔ سیدھا اسی طرف کا رخ کیا ادھر وہاں
پہنچتے ہی ایک قائم خانی دوست کے ہاں ذرا دیر دم لیا۔ تھانہ میں جھکی کی
طرف سے برضا و رغبت آنے کی رپورٹ تحریری پیش کرائی۔ اپنی شناخت
اور ضمانت دلوائی اور رات ہی رات اونٹ پر ڈیڈوانہ پہنچا۔ وہاں رات بسر
کر اور صبح ہوتے ہوتے وہاں سے بھی اونٹ ہی پر روانہ ہو کر شام تک کچامن
روڈ ریلوے اسٹیشن پر پہنچا اور وہاں سے ریل میں بیٹھ کر سیدھا اجمیر۔

عالیجاہ

اجمیر میں میموریل ہوٹل میں قیام کیا اور جلد سے جلد قاضی جی والی تمام کارروائیاں ختم کر کے نکاح پختہ کیا اور پھر ایک وکیل صاحب کے مشورے اور ہدایت سے جمی کی طرف سے سپرڈنٹ پولیس کے دفتر میں عرضی دلوائی اور میرے پاس جو تحریر تھی اس کی تصدیق کرا کے اطمینان کلی حاصل کیا۔ یہاں ایک دوست سے روپیہ قرض لیا اور اپنی نئی بیوی کو تھوڑی بہت خریداری اور سیر کرائی دن کے دن دو جوڑے بنوا دیئے۔ ایک بکس خرید وا دیا اور بہت سا سامان آرائش انتہائی لغو اور ذلیل قسم کا مگر حسب فرمائش خرید وا دیا۔ خوب موٹر کی سیر کرائی۔ جوتہ پہننے سے محترمہ نے فی الحال انکار ہی کر دیا لہٰذا میں نے بھی زور نہ دیا۔ میں نے دیکھا کہ یہ جنگلی لڑکی اس تغیر سے کس قدر خوش اور شگفتہ ہے بہت جلد بے تکلف ہو گئی چھین جھپٹ میں عجیب و غریب۔ اتفاق سے اپنی کامیابی اور قرون وسطیٰ کے نمونہ کی دوڑ جھپٹ نے اس کامیابی کو افسانہ اور خوب مجھے افسانہ کا ہیرو بنا دیا۔ لڑکی کا برابر فرمانبردار رہنا۔ لڑکی کی ماں کا طرفدار رہنا اور لڑکی کو دوران تفتیش مقدمہ پولیس کے پنجہ سے جھپٹ لانا، یہ سب باتیں عجیب و غریب تھیں۔ شام کو جب ہم ہوٹل واپس آئے تو محترمہ کافی کھل گئی تھیں۔ حتیٰ کہ

دبی زبان سے کنایۃً کچھ اس قسم کی تجویز پیش کی کہ شراب پی جائے۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ دریافت جو کیا تو خود پینے سے انکار کیا۔ معلوم ہوا کہ محض استفسار تھا۔ بہتر ہے ہم نے دل میں کہا اور عرض کر دیا کہ اب جہاں تمہارا رہنا سہنا ہے وہاں اگر اس کا ذکر بھی آیا یا نام بھی آیا تو عجب نہیں اسی بنا پر تا چوشی عمل میں آ جائیگی۔ خوب اچھی طرح سمجھا دیا۔

رات کو ہم دونوں ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ کھانا سامنے تھا اس جنگلی کے لئے یہ بھی ہنر سے کم نہ تھا کیا جاسنے بیچاری تمیز۔ میں نے ہاتھ دھونا۔ تولیہ سے پونچھنا اور تمیز سے بیٹھنا اور دوسری باتیں بتائیں لیکن جب کھانے کا وقت آیا تو کہنے لگی زمین پر بیٹھکر کھاؤنگی اور مجھے علیحدہ تھالی میں دبدبہ میں نے دبدبا۔ اطمینان سے کھانا کھا کر ہم دونوں نے باتیں کیں۔ اس کی زندگی کے نئے دور کے متعلق بہت سی باتیں بتائیں۔ بیوی بچوں کا حال بتایا۔ کام کے متعلق بتایا کہ کیسا اور کتنا ہے۔ بیٹھی مزے سے سنتی رہی اور پوچھتی بھی رہی۔ اور اس وقت مجھے ایک عجیب و غریب احساس ہوا۔ یہ نوکری یا باندی ہے یا واقعی منکوحہ بیوی ہے! کیا میں اس کو بیوی کی طرح عزت و احترام کے ساتھ اپنے ساتھ بٹھا سکتا ہوں اپنے ساتھ کھلا سکتا ہوں۔ اس کو تکلیف یا رنج پہنچے تو مجھے کچھ خیال ہو گا یا نہیں۔ جنگلی پن کے ساتھ اس میں ایک عجیب سادگی اور بھولا پن ہی شروع ہی سے میری طرف مائل ہے۔ اس وقت کیسی خوش ہے۔ چہرہ سے معصومیت عیاں ہے واللہ اعلم میری طرف سے اس کے دل میں کیا جذبات ہیں گے یہ دراصل نوکرنی ہے خادمہ محض ضرورتاً نکاح کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی فایدہ ہو گا کہ اگر بھاگیگی تو بطور زوجہ کے بھی پکڑوائی جا سکتی ہے۔ تنخواہ کی بچت رہی وہ علیحدہ عمر بھر محنت کریگی بالعوض۔۔۔۔ اب بالعوض جو غور کیا تو وہاں سوائے اس کے کیا رکھا تھا کہ "کچھ

نہیں !.... تنخواہ تو بیوی کو بھی نہیں ملا کرتی ہے مگر بیوی تو اور چیز ہے! بیوی تو یہ بھی ہے. مطلب یہ کہ یہ بھی بیوی ہوئی۔ ہوئی ہی! یا بیوی بھی..... مگر بیوی تو واقعی چیز ہی اور ہوتی ہے ...... یہ اُس قسم کی چیز نہیں ہے! یہ تو نوکرنی ہے! میری جان سے پیاری چھوٹی بیوی کی خدمت کیا کرے گی۔

یہ تمام خیالات دل میں آئے میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا اب مجھے اس پر بڑا ترس آیا۔ رحم سا آیا۔ آج ہی میں نے اس سے نکاح کیا تھا کس طرح ہاتھ آئی ہے۔ گذشتہ واقعات ایک دم سے نظر کے سامنے آگئے۔ اور میں نے پھر اس کی طرف غور سے دیکھا کتنی اچھی اور ہمت والی لڑکی ہے۔ میں نے پھر دیکھا آہستہ سے میں نے کہا "ادھر تو آ.... ادھر..... پاس آجا... یہاں..... یہاں بیٹھ جا" اس کو اپنے پلنگ کے پاس بٹھا لیا۔ بالکل پٹی کے پاس۔ کمرے میں دوسرا پلنگ بھی تھا۔ میں نے اس کو ایک دری بھی دلا دی تھی۔ اس نے اپنا بستر پلنگ پر نہیں لگایا تھا بلکہ ایک کونے میں زمین پر دری بچھائی تھی۔ پاس آکر بیٹھی تو میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ میں نے کہا "تو جانتی ہے؟ ہاں کیا کام کرنا ہوگا؟ میرا سر بھی دبانا ہوگا۔ ہاتھ بھی دبانا ہوں گے۔ ساری خدمت کرنا ہوگی"!

یہ کہکر میں نے کہا "تو انگلیاں چٹخانا جانتی ہے۔ کھینچ زور سے"

میں نے اپنا ہاتھ اس کی مضبوط انگلیوں میں دیدیا۔ اس نے نہایت ہی جنگلی پن سے میری انگلیاں چٹخانا اور توڑنا شروع کر دیں۔ اور میں نے پوچھا کہ آخر اپنا بستر زمین پر کیوں لگایا وہ ہنسنے لگی اور بجائے وجہ بتانے کے یہی کہا "نہیں"

میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدیا اور اُس نے اپنی مضبوط انگلیوں سے نہایت ہی جنگلی پن کے ساتھ میری انگلیاں چٹخانا اور توڑنا شروع کیں اور اس کام میں مذاق کا کتنا پہلو تھا؟ دلچسپی کتنی تھی؟ اور اس کی مضبوط مگر دلکش

انگلیاں اپنے دلچسپ کام میں کس طرح منہمک تھیں۔ اور انگلیوں کی جنبش اور نرم نرم زور آزمائی اس کے نوجوان چہرے پر کیسی لرزشیں پیدا کر رہی تھی اور اس کے چہرے پر ایک دلچسپ اور شیریں مسکراہٹ سی مسلط ہو کر رہ گئی تھی۔

میں نے اس کی خوبصورت اور بڑی بڑی پلکوں کو دیکھا۔ اس کی بیقرار اور چمکدار آنکھوں میں زندگی اور بیداری تھی جس کے سبب بھوؤں کی دلفریب جنبش کے ساتھ اس کی بڑی بڑی پلکیں بڑی نرمی کے ساتھ جنبش کرتی تھیں اور جب میں اپنی انگلی سخت کر لیتا اور اس کو پتہ چلتا کہ میں نے ایسا دیدہ و دانستہ کیا ہے تو اس کے چہرے کی چمک ایک دم سے بڑھ جاتی۔ اور وہ مسکرا کر رہ جاتی۔ میں نے اس کے دلچسپ چہرے کو دیکھا اور پوچھا کہ آخر اپنا بستر زمین پر کیوں بچھایا ہے۔ بجائے جواب دینے کے وہ مسکرانے لگی۔ اور جب میں نے زور دیکر وجہ پوچھی تو کہا "نہیں"

پھر میں نے اس سے پوچھا " میں کون ہوں؟"

اس دلچسپ سوال پر وہ منہ چھپا کر ہنسنے لگی۔ مگر میں نے سخت تقاضہ کیا تو جواب یہ ملا کہ میں خود بہتر جانتا ہوں کہ میں کون ہوں۔ میں نے کہا:

" میں تو جانتا ہوں لیکن تجھ سے پوچھتا ہوں اور تجھے بتانا ہوگا۔ کہ میں کون ہوں؟ بتا ..... اری بتا ..... "

اور میں نے جب اپنی انگلیوں سے اس کی انگلیوں کو پکڑ کر بار بار جھٹکا دیکر پوچھا اور اپنی انگلی اس کی ٹھوڑی پر مار کر پوچھا۔ اور زور دیا کہ بتانا ہوگا تو وہ کچھ کسمسائی۔ کچھ جھینپ سی گئی اور آہستہ سے بولی۔

"عالیجاہ"

اس مختصر مگر بامعنی جواب نے میرے تن بدن میں کس طرح ایک برقی رو دوڑا دی! اس لفظ کے کیا معنی ہیں؟ کبھی آپ اس بھول میں ہوں کہ وہی لغوی معنی۔ یعنی جناب عالی اور بندہ پرور کا بھائی بند! ہرگز نہیں۔ ریگستان کے تپتے ہوئے علاقوں میں جا کر ہجر و وصال کے عشقیہ گیت سنئے تو اس لفظ کے معنی سمجھ میں آئیں گے۔ اور آپ کو حیرت ہوگی کہ جنگل بیابان اور کوہ و دشت کی نیم وحشی قومیں جب اپنے جنگلی گیت گاتی ہیں تو ان عشقیہ گیتوں کی تان آکر اسی پرفسوں لفظ "عالیجاہ" پر کس مزے سے ٹوٹتی ہے۔ "عالیجاہ" کے معنی ہیں "عاشق زار، رنگیلا، رسیلا یار جو بدمعاش اور رنگین مزاج عاشق ہے لیکن خود معشوق صفت ہے۔ عشق و محبت کے نشہ میں جھومتا ہوا بانکا...... اور سچ پوچھئے تو ہر کنیز کی نظروں میں اُس کا نوجوان واقعی عالیجاہ ہے۔ اور جب ان کے دلوں میں گدگدی اٹھتی ہے اور وہ گھر کی ملکہ سے خائف ہوتی ہیں تو ان کی گرم گرم سانسوں کے ساتھ بھی لفظ بڑے مزے میں لرزتا ہوا ایک عجیب و غریب ترنم کے ساتھ نکلتا ہے۔ جو خود آقا کے دل کو گرماتا اور بہرماتا چلا جاتا ہے۔

اور میں نے جب اس جنگلی ہرنی کے منہ سے یہ لفظ سنا تو تن بدن میں ایک لہر دوڑ گئی اور میں نے متعجب اور خوش ہو کر کہا: "عالیجاہ"۔ تو اس نے مارے شرم کے مسکرا کر اپنا منہ چھپا لیا۔

میں نے اطمینان سے کہا: "میں تیرا عالیجاہ ہوں! ٹھیک۔ مگر اب یہ بتا کہ تو کون ہے؟"

اور اس نے پھر عجیب انداز سے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ اور قبل اس کے میرے سوال کا جواب دے اُس نے میری انگلی چھڑانے کی کوشش میں اس بُری طرح دبا دی کہ میں اُچھل پڑا۔

"اری کمبخت ......"

میں نے جھٹکا دیکر ہاتھ چھڑا لیا اور ہنس کر میں نے کہا "معلوم ہوتا ہے مار کھائیگی انگلیاں توڑے دیتی ہے۔"

اور اس نے ہنسی کو روکتے ہوئے مگر سادگی سے کہا کہ قطعی اس کا ارادہ انگلی توڑنے کا نہیں بلکہ وہ تو حسب عادت انگلیاں موڑ رہی ہے۔ اور پھر قدرے آزادی سے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ میرا ہاتھ پھر جھپٹ لیا۔ یہ کہہ کر کہ "نہیں توڑوں گی۔"

اور میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں پھر اسی طرح دیتے ہوئے کہا۔

"تو بڑی بد تمیز ہے انگلی توڑتی ہے یا ہنستی ہے۔ اور میں بھی کچھ پوچھتا ہوں آخر کیوں نہیں بتاتی۔"

وہ بولی "کیا؟"

میں نے کہا "تو کون ہے؟"

اس نے سادگی سے جواب دیا "چمکی"

"چمکی تو ہے" میں نے کہا "یہ تو میں جانتا ہوں مگر تو یہ تو بتا کہ تو ہے کون؟ یہاں میرے ساتھ کیوں آئی ہے؟"

کہنے لگی "تم ہی تو لائے ہو۔"

میں نے کہا "تو ہنستا بہت ہیں۔ میں بیشک تجھے لایا ہوں۔ مگر کیوں لایا ہوں تو میری بھی کوئی ہے؟ تو میری کون ہے؟"

اور اس نے ایک دم سے انگلیاں موڑتے موڑتے رک کر میری طرف غور سے دیکھا یہ اندازہ لگانے کو کہ میرا کیا مطلب ہے۔ اور پھر بولی۔

"تم کو نہیں معلوم؟"

"ارے!" میں نے کہا: "چڑیل کہیں کی. مجھ کو تو سب ہی معلوم ہے۔ مگر تجھے بتانا پڑے گا۔ بتاتی کیوں نہیں تو میری کون ہے۔"

کہنے لگی مسکرا کر: "تم جانتے ہو!"

میں نے کہا: "ضرور جانتا ہوں۔ مگر تو خود بتا۔"

وہ بولی: "چیری۔" (یعنی لونڈی)

"چیری"

"ہاں"

"کس کی؟"

جواب میں میری طرف انگلی اٹھا دی. میں نے پوچھا "میری ہے نا. میری ہی ہے؟"

جواب دیا: "ہاں"

"میری ہے کہ کسی اور کی؟"

نہایت ہی بدتمیزی سے کہا: "ہٹ"

"ارے" میں نے کہا: "یہ ہٹ کیا بلا ہے؟"

گردن کو جنبش دیکے کہنے لگی: "میں کسی اور کی کیوں ہونے لگی" قدرے سنجیدگی سے۔

اب دراصل مجھے معلوم ہوا کہ میں نے اس کی توہین کی تھی۔ میں نے پھر اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ وہ بدستور اب میرے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کو دبا رہی تھی۔ میں نے پھر پوچھا۔

"تو میری ہے نا؟ کیا ہوتی ہے؟" جواب ندارد۔ پھر میں نے پوچھا کہ "تو چیری ہے کہ میری؟" جواب نہیں دیا تو میں نے اس کا ہاتھ جھٹکا "بولتی کیوں نہیں؟"

"بتا تو دیا" رُک کر بولی "گولی ..... چیری ..."

"بیوی کیا ہوئی ؟"

"مجھے نہیں خبر"

میں نے پوچھا "تو کس کی بیوی ہے ؟"

قدرے سنجیدگی سے میں نے پوچھا۔ اُس نے میری طرف دیکھا غالباً جنگلی پن کو چہرے سے رخصت کر کے۔

میں نے بار بار پوچھا تو بولی "میں گولی ہوں"

میں نے کہا "یہ قاضی کے یہاں کیا ہوا تھا سب ہیں ؟"

دراصل وہاں قاضی صاحب نے اپنی عربی لغت چھیڑ کر کافی روائی کی تھی جس میں لفظ نکاح کے علاوہ لفظ بیوی سے کام نہیں چلا۔ ایک علامہ نے ہندی سے کام لے کر وضاحت کی طبلی توڑ دی۔ لگائی "خاوند" "زوجہ" "بیوی" "دلہنی" وغیرہ وغیرہ۔ پھر پھر کر سب ہی لفظ آتے تھے۔ مگر میرے اس سوال کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو کر کہا "مجھے کیا خبر"

میں نے کہا "قاضی کیا کہتا تھا ؟"

بولی "مجھے کیا خبر۔ کچھ مسلمانی ہا کا وڑ بڑ کرتا تھا" (مذہب اسلام کے متعلق "وڑ بڑ" یعنی ناقابل فہم الفاظ)

مجھے بہت ہنسی آئی اور میں نے کہا "چل چڑیل ....."

وہ بھی ہنسنے لگی۔ کہنے لگی "مجھے کیا خبر وہ کیا کہتا تھا"

یہ کہہ کر میں نے پھر اُس کے متبسم مگر بھولے چہرے کی طرف دیکھا۔ بہت غور سے دیکھا۔ اُس نے اپنی مخمور آنکھوں سے ایک لمحہ کے لئے میری طرف دیکھا اور

پھر آہستہ سے نظر نیچی کر لی۔ اور میرے دل میں پھر ایک رحم اور ہمدردی کی لہر سی دوڑ گئی۔ کتنی سیدھی اور مسکین لڑکی ہے۔

میں نے ہمدردی کے لہجے میں پلنگ کی پٹی پر ہاتھ رکھ کر کہا: "بیٹھ جا..... یہاں بیٹھ جا..... اور اس نے میری طرف دیکھ کر ایک دم سے نظریں نیچی کر کے سر ہلا کر انکار کر دیا۔

اور میں نے اس کا ہاتھ جھٹک کر کہا "ادھر دیکھ"

اور اس کی عکم عدولی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو یاد دلانے کے لئے پوچھا۔ "تو میری کون ہے؟"

اور وہ کچھ نہ بولی تو میں نے پھر کہا۔ قدرے زور دیکر: "اری میٹھنی کیوں نہیں؟"

اور میں نے جب تقاضوں کے مارے اس کو حیران کر دیا تو وہ اب تک زمین پر بیٹھی تھی مگر اب قدرے تکلف کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ میں نے ہاتھ پکڑ کر اس کو بٹھا لیا اور وہ نظریں نیچی کئے چپ اور گم سم بیٹھی رہی۔

پھر میں نے اس کی آنکھوں کو جھک کر دیکھا اور اس کی ٹھوڑی کو ہاتھ سے پکڑ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا: "کیوں ری۔ کیا تو مجھے چاہتی ہے؟" اور جواب میں اس نے انتہا سے زیادہ معصوم اور سنجیدہ صورت بنا کر آہستہ سے میرا ہاتھ ہٹا کر پھر اسی طرح اپنا سر نیچا کر لیا اور میں نے کہا: "تو نہیں بولتی کیسے نہیں بولے گی؟" یہ کہہ کر میں نے پھر کے وہی سوال دہرایا: "مجھے چاہتی ہے؟"

میرے سوال کا کوئی جواب اس نے نہیں دیا۔ لیکن ایک نظر اٹھا کر عجیب عزت اور لاچاری سے اس نے دیکھا یا نظروں ہی سے کچھ جواب دیا اور میں نے کہا: "کیوں ری..... تجھے گلے لگا لوں؟"

اور میں نے دیکھا کہ جواب کے بجائے وہ پانی پانی ہو گئی۔ میں نے دونوں

ہاتھ آغوش میں لینے کے لئے بڑھا دیئے۔ جیسے بچّے کو گود میں لینے کو ہاتھ بڑھا کر بلاتے ہیں۔ اور میں نے کہا: "آ میں تجھے گلے لگا لوں۔" اور جب وہ باوجود بار بار تقاضہ کے نہیں آئی تو میں نے ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے اپنی طرف کھینچا اور اس کے چمکتے ہوئے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر چوم لیا اور اس جنگلی چیز کو گلے سے لگا لیا۔

اُس کے نوجوان سینے کی دھڑکن میرے سینے پر ہتھوڑے کی طرح لگتی معلوم دی۔

مُلازمہ

خدا کی پناہ! بیوی بھی کس قدر محبوب اور نشیلی چیز ہے۔ خواہ وہ جنگلی ہی کیوں نہ ہو! چمکی ایک میٹھی بانسری تھی جس کی لے دل و جگر میں اتری جاتی تھی۔ دو روز میں نے اس جنگلی لڑکی کے ساتھ خوب ادھر ادھر کی سیر کی۔ یہ معلوم دے کہ موسم بہار ہے! اور تیسرے روز ہم دونوں بادل ناخواستہ اجمیر سے روانہ ہوئے۔ راستے میں چمکی کو نہ معلوم کیا کیا ہدایات کردیں۔ کہ چھوٹی بی یہ پوچھے تو یہ کہنا اور یہ کہے تو یہ کہنا۔ اور اسی روز ہم گھر پہنچے۔ اور چھوٹی بی کی خدمت میں لا کو کھڑی کردی۔ اُن کی نوکرانی۔ چمکی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر چھوٹی بیوی کو جھک کر ڈنڈوت کیا۔ چھوٹی بیوی نے غور سے چمکی کو دیکھا۔ پھر مجھ کو اور پھر چمکی کو اور اُس کے بعد غل مچانا شروع کیا۔ یعنی مجھے ڈانٹا۔ آخر کہاں رہ گیا تھا میری بے بسی اور چھوٹی بیوی کی شہ زوری پہ چمکی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ میں نے دو لفظوں میں معاملہ سمجھایا۔ کہا کہ اطمینان سے سنو گی تب پتہ چلے گا۔ قصہ مختصر چھوٹی بیوی کو ٹھنڈ آگیا۔ اب چھوٹی بی نے غور سے معائنہ کیا۔ نئے کپڑے ملنے صن۔ وفہ وغیرہ سامان آرائش دیکھا۔ کچھ کہا ملکہ کافی ناپسندیدگی چہرے سے عیاں ہوئی۔ مجھ سے چپکے سے کہا۔ "بڑی حرافہ معلوم دیتی ہے۔" میں بھلا کیا کہتا

اس کے بعد چھوٹی بی نے چمکی کو فوراً امور خانہ داری کی طرف متوجہ کیا۔ رہنے کو باورچی خانہ کے پاس والی کوٹھری بتائی۔ پانی کا گھڑا۔ لوٹا۔ گلاس اس کا الگ کیا برتن علیحدہ کئے اور سرسری طور پر احکام نافذ کرتے ہوئے گھر کا چارج گویا دیدیا۔ تجربہ کے طور پر جلدی جلدی فضول احکام صادر کر کے یہ دیکھا گیا کہ یہ کام کیسے کرتی ہے۔ بچے سونپنا چاہے مگر وہ راضی نہ ہوئے "ایں" کر کے مچل گئے۔ یہ طے ہوا کہ دو ایک روز میں ہل جانے پر دو بچے جائے گا۔

شب کو کھانے کے بعد ہم دونوں بڑے اطمینان سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے میں نے سارا قصہ شروع سے آخیر تک سنایا۔ صرف اس قسم کے واقعات چھوڑ دیئے جو غالباً چھوٹی بی کو ناپسند ہوتے۔ پھر چمکی کو بلا کر چھوٹی بی نے اس سے بہت سی باتیں کہیں۔ اس کو کام کرنے کی صورت میں کپڑے اور زیور کا بھی وعدہ کیا اور نکام چوری اور کاہلی کے نتائج سے بھی چمکی کو آگاہ کیا۔

چمکی نے دوسرے ہی روز سے گھر کی کایا پلٹ کی کوشش کی۔ اوّل تو چکی کے بارے میں چھوٹی بی سے پوچھا کہ "کیا تم خود پیسو گی؟" چھوٹی بی نے بدک کر کہا۔ "لے تو ہوش میں بھی ہے کمبخت!" دراصل غلطی خود چھوٹی بی کی تھی۔ چمکی کو خدمات سونپتے وقت چکی کا ذکر ہی نہ ہوا تھا۔ اور چند دوسرے کاموں کے بارے میں چھوٹی بی نے کہا تھا کہ تم نہ کرنا میں خود کر لوں گی۔ وہ سمجھی کہ چکی بھی یہی پیسیں گی۔ اور جب اس کو معلوم ہوا کہ اس گھر میں سرے سے چکی ہی نہیں ہے تو بھر بھلے پن سے گھبرا کر اس نے پوچھا "پھر کیا کرتے ہو؟" اور جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ بازار سے پس کر آتا ہے تو اس کی عقل نے کام نہ کیا۔ کہ کس طرح یہ مصارف برداشت ہوتے ہونگے ونیز یہ کہ ایسے احمق اور فضول خرچ بھی دنیا میں ہیں جو ایسے کاموں پر دولت برباد کر سکتے ہیں۔ یہ حجت سن کر چھوٹی بی نے کہا کہ میں کل ہی چکی منگاتی ہوں اور وا

منگوا دی گئی۔

یہ قصے ابھی شروع ہی نہ ہوئے تھے کہ چمکی کے مدعی بیکانیر پولیس کو لیکر آ گئے لیکن میرے پاس اپنی بریت کا کافی مواد موجود تھا۔ اور یہ بھی اچھا ہوا کہ یہ شُدہ بُدہ بھی ختم ہوئی۔

بہت جلد چمکی نے گھر کا کام سنبھالنا شروع کیا۔ نہایت تندہی اور محنت سے ہر کام کیا۔ بچوں کے ساتھ انتہائی شفقت کا برتاؤ کیا۔ ناتجربہ کار ہو کر اپنا پتہ مار کر بچوں کے مظالم سہے اور چھوٹی بیوی کی وہ خدمت کی کہ ایک دفعہ تو چھوٹی بی کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ کہتی رہ جاتی "اری نیک بخت رہنے دے رہنے دے" مگر نہیں چمکی نہیں مانتی۔ اپنی "بیوی جی" کے محبت سے پیر دابتی۔ ہاتھ دباتی۔ سر سہلاتی بچوں کو اس طرح کھلاتی کہ ان سے کھیلنے لگتی۔ روز تقاضہ کرتی کہ بیوی جی بچوں کے لئے بھینس لے لو۔ میں سب کام کر لوں گی۔ اس نے اتنے تقاضے کئے کہ چھوٹی بی نے طے کر لیا کہ بھینس لیں۔ مکان ایسا تھا کہ جگہ نہ تھی لہٰذا حکم ہوا کہ گھر بدل دو اور پھر بہت جلد گھر بھی بدل دیا گیا۔ اور بھینس خرید لی گئی۔ شاباش ہے غریب کو، صبح اتنے اندھیرے اٹھتی کہ گھر خرچ اندازاً کا آٹا پیستی۔ بھینس کا کام کرتی۔ سارے گھر میں جھاڑو دیتی۔ بچوں کو دیکھتی بھالتی۔ پھر کھانے پکانے اور خانہ داری کے دھندوں میں ایسی پڑتی کہ رات گئے تک اسی میں الجھی رہتی۔ اور سونے سے قبل جب چھوٹی بی میرے ساتھ خوش فعلیوں میں مشغول ہوتی تو دن بھر کی محنت اور کام سے فراغت حاصل کر کے دبے پاؤں دروازے کے پاس آتی۔ ہمارے ہنسنے بولنے اور خوش فعلیوں کی آواز سن کر یا کبھی چھوٹی بی کا مزیدار گیت سنے۔ ایک دم سے چھوٹی بی کہتی "کیوں کیا ہے؟ سب کام کر لیا؟ اچھا جاؤ بیٹھو۔ آج ہاتھ پیر تو رہنے دو۔ نہیں میں نہیں دبواؤں گی ......"

چمکی چل دیتی۔ دروازے سے ہٹ کر رک جاتی۔ ذرا آڑ ہیں۔ اور مڑ کر میری طرف دیکھتی۔ میں ایک عجیب قسم کی بیکلی محسوس کرتا۔ ایسی کہ اُس کی طرف دیکھا نہ جاتا۔ عجیب انداز سے وہ خاموشی سے دیکھتی۔ پھر چل دیتی اور پھر رک گئی پھر دیکھا اور دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

دراصل جس روز سے وہ یہاں آئی تھی مجھے اُس سے بات کرنے کی بھی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ جب اس محنت اور تندہی اور جانفشانی سے کوئی کام کرے تو کیسے کوئی قائل نہ ہو۔ چھوٹی بی چمکی سے بیحد خوش تھی۔ ایسی کہ اس نے تو تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی بیوی کے کام کو بھلا دیا۔ بھلا کیسے خوش نہ ہوتی۔ درحالیکہ ایک کوڑی تنخواہ نہیں دینی پڑتی تھی۔ ہاں شاباش اس کو البتہ ایسی ملتی تھی کہ باید و شاید۔ اور وہ بھی اس محبت اور مہربانی کے سلوک سے بیحد خوش تھی اور چھوٹی بیوی کو بھی معلوم تھا کہ چمکی بیحد خوش ہے۔ ہر طرح سے خوش ہے بہت خوش ہے اور اسی وجہ سے کام بھی جی لگا کر کرتی ہے۔

چمکی اور میں

چمکی کو آئے دو مہینے گذر گئے۔ لیکن اس دوران میں مجھے ایک دفعہ بھی اس سے بات کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ اور ملا بھی تو بات نہ ہوسکی۔ وجہ دراصل یہ کہ میرا پروگرام ہی اس قسم کا تھا۔ "گھر گھسنا" دفتر جانے سے پہلے کبھی باہر کہیں گیا وہ نہ بیٹھا رہا۔ بیوی کے پاس۔ یا کچھ کام کرتا رہا۔ بعد دفتر گھر میں آیا۔ تو چائے پی کر بیوی بچوں کا ہو گیا کبھی کوئی ملنے والا آگیا وہ بات دوسری ہے اور پھر شام سے رات گئے تک چھوٹی بی کے ساتھ گذرتا۔ چمکی کمروں میں صفائی کرتی اور اگر میں کبھی ہوتا تو میں دیکھتا کہ قصداً اسی کمرے میں کام بڑھا رہی ہے۔ برابر ہی برآمدے میں یا کمرے میں چھوٹی بیوی ہوتی۔ چمکی آئینہ صاف کر رہی ہے یا کرسی پونچھ رہی ہے یا جوتوں کو سیدھا کر رہی ہے اور بار بار مڑ مڑ کر مجھے دیکھتی ہے تو میں نظریں نیچی کر لیتا ہوں اور جب وہ نظر دوسری طرف کر لیتی ہے تو میں اس کو دیکھتا ہوں اور دو چار مرتبہ ایسا کرنے کے لئے۔ ہماری دونوں کی نظریں چار ہوتیں تو میں دیکھتا کہ چشم زدن میں اس کی آنکھوں میں ایک جنبش سی معلوم ہوتی اور کچھ شرما کر وہ نظریں نیچی کر لیتی۔

پھر میں نے یہ دیکھا کہ چھوٹی بی کہیں غسلخانہ میں گئیں چمکی نے دیکھا باورچی خانہ

سے فوراً اٹھ کر کسی کام کے بہانے سے آئی۔ دو دو دفعہ اور تین تین دفعہ آئی بچوں کو پکارنے لگی۔ ادھر ادھر کی چیز اٹھانے لگی۔ اگر چاہتا تو میں اس سے بات کر لیتا اور بات کی بھی کبھی تو رسمی اور کسی کام کے متعلق۔ بالکل اسی طرح جیسے چھوٹی بی سامنے بیٹھی ہے۔ بارہا ارادہ کیا۔ مگر یہی خیال گیا کہ چھوٹی بی دیکھ لے گی تو کیا کہے گی۔ اس کا احساس ہی جاتا رہا تھا کہ یہ وہی اجمیر والی چمکی ہے۔ میری منکوحہ اور جائز بیوی! چھوٹی بی کے سامنے یہ خیال دل میں بھی آنا گناہ معلوم ہوتا تھا۔ میں یہ سوچتا کہ یہ وہی چمکی ہے جو اجمیر کے ہوٹل کے کمرے میں تھی۔ کیسی آزادی سے باتیں کر رہی تھی۔ اور میں اس کو ایک پیاری بیوی کی طرح گلے میں باہیں ڈالے کلیجہ سے لگائے ہوئے تھا۔ کیا یہ واقعہ تھا! اور یہ وہی لڑکی ہے!

ایک روز ایسا ہوا کہ ادھر سے میں جا رہا تھا باہر، اور ادھر سے تیزی سے بھینس کے پاس سے چمکی آئی تھی۔ تیزی سے۔ بجائے نکلے چلے جانے کے ہم دونوں رک گئے۔ ایک دم سے ایسے کہ کسی نے زبردستی روک لیا ہو! دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اندر جانے لگے، دروازہ کی طرف۔ ایک دوسرے کے قریب آئے کہ آواز آئی "چمکی" بڑا بچہ روتا ہوا آتا تھا۔ لینا اسے......"ہم دونوں نے زور زور سے بول بول کر بچے کو سنبھالا ایسے کہ میں نے چمکی کے بدن کو کئی دفعہ کہنی سے بھی چھوا۔ پھر بچے کو اٹھا کر چمکی کی گود میں بھی دے دیا۔ وہ چلی گئی میری طرف دو دفعہ دیکھا۔

ایک دفعہ میں رات کو ضرورت سے اٹھا۔ واپس آتا تھا کہ صحن میں چمکی ملی۔ پانی پی کر آئی تھی۔ دونوں رک گئے۔ نہ میری ہمت پڑی آگے بڑھنے کی اور نہ اس کی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے چلے گئے۔

ایک دفعہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ بڑے آئینہ میں چھکی اپنا منہ دیکھ رہی ہے۔ بال سنوارنے لگی۔ دراصل اپنی مالکہ کو دیکھ کر فیشن ایبل ہونے کے امکان پر غور کرتی ہو گی۔ میں جو برآمدہ سے مڑا تو قریب تو تھا ہی آئینہ میں اس کی شکل سامنے صاف نظر آئی۔ مگر وہ بال انگلی سے سنوار رہی تھی اور اس نے نظریں اٹھائیں کہ ایک دم سے آئینہ ہی میں آنکھیں چار ہوئیں۔ کس انداز سے مسکرا کر اور جھینپ کر اس نے ایک دم سے منہ چھپایا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا اور پھر مڑ کر دیکھا میری طرف۔ پھر اُسی خفیہ مسکراہٹ سے۔

علاوہ اس کے تین چار دفعہ سے چھوٹی بی نے گانے بجانے میں شریک کیا مگر ہو نیم وہ جانتی نہ تھی۔ ڈھولک اور چنگ خوب بجاتی تھی۔ اور چھوٹی بی کو دراصل ڈھولک پر ہی گانے میں مزہ آتا تھا۔ کئی دفعہ میں نے چھوٹی بی سے کہا کہ چھکی کا گانا سنو۔ مگر وہ راضی نہ ہوئی میں نے ناچنے کو کہا تب کہا ناچنا نہیں آتا۔ چھوٹی بی نے بہت بہت کہا۔ مگر انکار کرتی رہی۔ یہی کہہ دیا کہ مجھے نہیں آتا۔ مگر ایک روز گانے پر راضی ہو گئی۔ اور خوب زور سے گائی۔ کیسا؟ بس نہ پوچھئے۔ جنھوں نے اچھوتا نہ گی عورتوں کے گلے سے راگ راگنی سنی ہے وہی خوب جانتے ہیں کہ خدا نے یہاں کے گلوں میں کس بلا کی راگنی بھر دی ہے۔ ایسی کہ آواز دل و جگر کو چیرتی چلی جاتی ہے اور پھر ماڑواڑی گیت اور انداز۔ الامان، وہ بھی عورت کے منہ سے کون؟ ایک نوجوان لڑکی اور وہ بھی منکوحہ بیوی!

بہتیرا چھوٹی بی نے اس سے ناچنے کو کہا۔ یہ تک کہہ دیا کہ "ارے کمبخت میں بھی تیرے ساتھ ناچوں گی لے مجھے بھی سکھا دے۔" مگر وہ نہ مانی۔ منہ چھپا چھپا کر ہنستی رہی اور یہی کہا کی کہ مجھے ناچنا نہیں آتا۔

اس کے تیسرے روز کا ذکر ہے کہ چھوٹی بی اپنی ایک سہیلی کے یہاں گئی تھی۔

آنے جانے کے لئے چھوٹی بی نے جمکی کے لئے دو بہت ہی معمولی ساڑیاں بنوا دی تھیں۔ ورنہ گھر پر وہ اپنا قومی لباس یعنی لہنگا وغیرہ نہایت ہی موٹے کپڑے کا سرخ اور نیلی چھپائی کے کام کا پہنے رہتی تھی۔ اس شب میں دورہ پر جا رہا تھا مغرب کے بعد چھوٹی بی آ گئیں۔ کھانا سوائے میرے سب ہی میزبان کے یہاں سے کھا کر آئے تھے۔ اور طے یہ ہوا تھا کہ میرے لئے کھانا وہیں سے آئے گا۔ گویا دعوت میری بھی تھی مگر گھر پر۔ میرے جانے میں ابھی بڑی دیر تھی۔ مگر آتے ہی چھوٹی بی نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں نے جمکی کو غور سے دیکھا۔ فیروزی رنگ کی ساڑھی باندھے تھی اور سب سے عجیب و غریب بات یہ کہ مانگ کے پاس کا وہ بھدا زیور غائب تھا۔ جس کو راجپوتانہ میں "بور" کہتے ہیں۔ اور جو کسی طرح بھی سوائے بیوگی کے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اور طرفہ یہ کہ خیر سے آڑی مانگ نکالے۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ یہ اس وجہ سے مجھ سے منہ چھپا رہی تھی۔ میں نے چھوٹی بی سے کہا۔ "اوہو! اس چڑیل نے ترچھی مانگ نکالی ہے!"

چھوٹی بی نے کہا "کمبخت بور توہٹا"

میں نے جمکی کو دیکھا۔ کس قدر جاذب نظر اور خوبصورت معلوم ہو رہی تھی۔ اس کی چمکیلی اور نشیلی آنکھوں میں غیر معمولی نوجوانی کی چمک تھی۔ چہرہ انتہا سے زیادہ دلربا معلوم دیا۔ نیم آستین میں اس کا پھنسا ہوا سڈول اور طاقتور بازو کس قدر دلکش معلوم دیا۔ دراصل اس کے روزانہ کے لباس میں اور اس لباس میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ مجھ کو ایسا معلوم ہوا کہ اگر اس کو عمدہ لباس پہنایا جائے تو سچ مچ "جمکی" بن جائے۔

کھانا کھا کر میں نے گھڑی دیکھی۔ سامان مختصر سا درست تھا ہی۔ انتظار کر ہی رہا تھا کہ تانگہ والا آ گیا۔ جمکی نے اسباب اٹھا کر تانگہ پر پہنچایا کہ چھوٹی بی کسی ضرورت

سے اندر گئی۔ اور میں باہر۔ ڈیوڑھی میں چمکی سے قریب قریب ٹکر ہوگئی۔ دونوں رک گئے میری زبان سے آہستہ سے نکلا "چمکی!" اور میں نے ہاتھ جو بڑھایا تو وہ از خود میرے آغوش میں آگئی۔ میں نے سینے سے اسے زور سے لگا لیا۔ اور اس کا منہ چوم لیا۔ رخساروں اور پیشانی کو محبت کے بوسوں سے تر کر دیا۔ اور مجھ کو معلوم بھی نہ ہوا۔ کہ وہ میرے گلے سے چمٹ کر آنسو بہا رہی ہے۔ گھبرا کر میں نے اپنے کو اس کی گرفت سے آزاد کیا۔ اور لپک کر تانگہ پر جا بیٹھا۔ اسٹیشن پہنچا اور جب تک گاڑی نہ آئی ایک عجیب ہی خوشگوار تخیل میں غرق رہا۔ ایسا کہ کوئی جان پہچان جو ملا تو وہ باتیں کر رہا ہے اور میں بجائے سننے کے کہیں اور ہی ہوں۔ ایک صاحب نے تو مل کر کہا "کیا اونگھ رہے ہو؟" گاڑی جو آئی تو شکر ہے کہ کوئی جان پہچان ہمسفر نہ ہوا۔ میں گھر سے تین دن کے لئے دورہ پر جا رہا تھا۔ چمکی کو لے کر آیا اس کے بعد یہ دوسرا دورہ تھا۔ اس سے قبل صرف ایک رات کے لئے غیر حاضر ہوا تھا۔

چور

مجھ کو نہیں معلوم تھا کہ دشمن تاک میں لگے ہیں. یعنی چمکی کے مدعی. وہ جو مجھ سے ہر طرح شکست کھا چکے تھے۔ اور جن سے میں جبراً چالاکی سے چمکی کو چھین لایا تھا.

اس دوران میں ہمیرا صرف دو دفعہ آیا تھا۔ ایک تو چمکی کے آنے کے بعد ہی اور پھر دوبارہ کوئی اس کے مہینے بھر بعد آیا تھا. سبحان گڑھ سے اس کے پاس اونٹ پہونچا دیا گیا تھا۔ کیونکہ میں نے ڈیڑھ وانہ ہی سے اونٹ واپس کر دیا تھا. اس کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ سوجیا یعنی چمکی کا مدعی اور پہلے والا منگیتر اپنی شکست پر دانت پیس رہا تھا اور کہتا تھا کہ اگر نہ چمکی کو اڑا لایا تو کچھ کام نہ کیا۔ یہ شخص جوان العمر، پیشہ ور چور اور ڈکیت تھا۔ سخت مضبوط اور بچھر تیلا. پہاڑی پر جن دو آدمیوں کو میں نے شکست دی تھی ان میں یہ بھی تھا، اور دراصل چمکی کے پیچھے یہ دیوانہ بھی ہو رہا تھا۔ کیونکہ یہ واقعہ تھا کہ ایسی چھیلی دلہن اس کو نہیں مل سکتی تھی. مجھے اس کے ساتھ ضرور ہمدردی تھی اور مجھ کو جانے سے پیشتر اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ چمکی کی منگنی ایک ایسے شخص سے ہو چکی ہے جو اس پر ہزار جان سے عاشق ہے تو شاید کیا بلکہ یقیناً یہ سودا ہی نہ کرتا. لیکن اب تو سوال ہی دوسرا تھا۔ اور میں نے جب ہمیرا سے سنا تو یہی کہا کہ شاید اس کی شامت آئی ہے. کیونکہ میں بھی اب ایسا

"چھو کرا" تو تھا نہیں۔ جو کبھی گاؤں میں ایسا پیٹا گیا تھا کہ عشق کا مرض دور ہو گیا تھا۔

قصہ مختصر سوجیا مع ساتھیوں کے تاک میں لگا ہوا تھا کہ موقع ملے تو کچھ کرے واللہ اعلم اس کا کیا ارادہ تھا۔ یعنی صرف چمکی کو لے جانے کا یا میرے گھر ڈاکہ ڈالنے کا یہ تو طے ہے کہ میرے اوپر حملہ کرنے کا ارادہ قطعی نہ تھا اور نہ وہ اس کا منتظر ہوتا کہ میں کب گھر سے جاؤں۔ جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا۔ دراصل اس موذی یا اس کے ساتھیوں نے دفتر کے کسی چپراسی سے معلوم کر لیا کہ میں کب گھر سے غیر حاضر ہوں گا۔ اسی رات سوجیا نے ہمارے گھر پر حملہ کیا۔

چھوٹی بی کا قاعدہ تھا کہ عموماً جب کبھی میں رات کو جاتا تو کسی نہ کسی اڑوس پڑوس کی دو ایک عورتوں کو بلا لیتی اور رات گئے تک گانا بجانا ہوتا۔ چنانچہ آج بھی یہی انتظام کیا تھا۔ میرے جانے کے بعد ہی گانا بجانا ہوا۔ اور اس رات کو پہلی دفعہ چھوٹی بی نے چمکی کا ناچ دیکھا۔

اسے اپنے بھڑک دار کپڑے پہنا کر خوب نچایا۔ اس محفل سے بھی فائدہ ہوا۔ جب ناچ گانا ختم ہو چکا تو آنے والیوں کو رخصت کر کے چمکی دروازہ بند کرنے لگی۔ اس نے ایک طرف کچھ فاصلے پر دو تین آدمیوں کو دیکھا۔ بجائے شہری کے دیہاتی تھے۔ کوئی رات کے بارہ بجے تھے اور اس نے دیکھا کہ تینوں ایک جگہ کھڑے ہیں۔ چنانچہ اس کو کچھ یونہی ساشبہ ہوا۔ مگر اس نے دروازہ بند کر لیا اور چلی آئی۔ اور چھوٹی بی سے بھی کچھ نہ کہا۔ جب میں نہ ہوتا تو چھوٹی بی کو کوئی بھی ملازمہ ہو اس کو اپنے ہی کمرے میں ساتھ سلاتی تھی۔ چنانچہ دونوں بہت جلد پڑ رہیں۔ اور اس کے بعد چمکی کے دل میں طرح طرح کے توہمات آئے۔ حتیٰ کہ دیر تک نیند نہ آئی اور طبیعت پر ایک عجیب بےچینی سی رہی۔ مگر

پھر بھی اس نے چھوٹی بی سے کچھ نہ کہا۔ بہت جلد دونوں سو گئیں۔

اب چوروں کا حال سنئے۔ سوجیا اپنے دونوں آدمیوں کے ساتھ تاک میں لگا ہوا تھا۔ ہمارے مکان کا نقشہ بھی سن لیجئے۔ بلند دیواروں کا ایک جوحن سا تھا صحن وغیرہ کافی تھا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو تو بھینس صاحبہ کے لئے ایک مختصر سا چھپر تھا۔ اور بائیں طرف ایک کوٹھری تھی جس میں بھوسہ اور اسی قسم کی لغویات تھیں۔ چھپر اور کوٹھری کے درمیان مختصر سا صحن تھا اور اسی صحن میں ڈیوڑھی میں ہو کر اندر مکان میں جانے کا راستہ تھا۔ ڈیوڑھی میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ گویا جو داخل ہو گیا وہ بغیر کسی قسم کی روک ٹوک کے اندر حویلی میں پہونچ سکتا تھا۔

اندر سے حویلی نہایت ہی شاندار اور کشادہ تھی۔ پشت پر مردان خانہ کے دو کمرے تھے اور چونکہ میں ہمیشہ ہی سے گھر گھسنا ہوں لہذا یہ کمرے بھی چھوٹی بی نے زنانخانے میں شامل کر لئے تھے۔ ان مردانہ کمروں میں آنے کے لئے سڑک سے ایک چار سیڑھیوں کا زینہ تھا اور چبوترہ تھا۔ کبھی کوئی ملنے والا آتا تو عارضی طور پر یہ دروازہ کھول دیا جاتا۔ اور آنے والے کو سڑک کے کنارے والے کمرے میں بٹھا دیا جاتا۔ جس کی کھڑکیاں چبوترہ پر کھلتی تھیں۔ ان کھڑکیوں میں نہایت ہی مضبوط لوہے کے سلاخیں لگے تھے اور پھر عین سر راہ تھا۔ لہذا چوروں نے اس طرف کو توجہ نہ دی۔ اب گھر میں داخل ہونے کی صرف یہی صورت تھی کہ کسی طرف سے دیوار توڑ کر داخل ہوں۔ کیونکہ دروازہ توڑنا ناممکن تھا۔ پرانے زمانے کا انتہا سے زیادہ مضبوط دروازہ تھا۔ دیوار توڑنے کے سوا کوئی دوسرا چارہ ہی نہ تھا۔ سب سے زیادہ موزوں دیوار وہ تھی جہاں بھینس کا چھپر تھا۔ کیونکہ چھپر کی دیوار کی پشت کی طرف ایک تاریک اور پتلی گلی دور تک

چلی گئی تھی۔ جو آگے جا کر بند ہو گئی تھی۔ اور یہ گلی پڑوس کے عالی شان مکان کی پشت تھی۔ اس کے علاوہ اگر کسی دوسری جگہ دیوار کاٹتے تو یقین نہیں کہ کہاں پھوٹتے کسی کمرے میں یا گھر کے صحن میں۔ اور اس جگہ یہ بھی فائدہ تھا کہ گھر والوں تک دیوار کاٹنے کی آواز پہنچنا مشکل تھی۔ چنانچہ اسی دیوار کو منتخب کر کے سوچا اور اس کے رفیقوں نے دیوار کی اینٹیں نکال کر سوراخ بنانا شروع کیا۔ اُدھر یہ تو دیوار کاٹنے میں مشغول تھے اور اب ادھر کی سنئے۔

چھوٹی بی اور چمکی دونوں سو گئی تھیں۔ خدا کی شان ہے کہ بچہ اٹھا اور اس نے پیشاب کے لئے کہا چھوٹی بی نے چمکی سے کہا۔ چمکی بچے کو پیشاب کرانے لگی۔ لیکن اس کے دل میں ان تین آدمیوں کا شبہ بدستور تھا۔ اور جب تک بچہ پیشاب کرے اس کو پھر وہم سا ہوا اور اس نے بڑھ کر ڈیوڑھی میں سے نکل کر چپکے سے گردن نکال کر ادھر اُدھر دیکھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ چور دیوار کی چوڑائی کو پار کر چکے تھے۔ اور اس طرف کی ایک آدھ اینٹ ہٹا چکے تھے۔ کھٹکا صاف محسوس ہوا اور وہ دیکھتے ہی کوٹھی کر بچہ چلایا۔ تیر کی طرح بچہ کو گود میں لے کر وہ چھوٹی بی کے پاس پہونچی اور اسے خطرہ سے آگاہ کیا۔ چھوٹی بی کے ہوش خطا ہو گئے۔ اور اب انھیں حقیقت معلوم ہوئی کہ میں جو کہتا تھا کہ دفتر کے دوسرے چپراسی کو رات کا کھانا اور دو چار پیسے دے کر جب میں کہیں باہر جاؤں تو سلا لیا کرو تو منع کر دینا کہاں تک درست تھا۔ چھوٹی بی کے تو ہوش جاتے رہے تھے۔ سوائے اس کے کہ مردانہ کمروں میں ہو کر مع بچوں کے باہر نکل جائیں اور مال و اسباب چوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ جائیں۔ اور کیا چارہ تھا۔ مگر چمکی نے گھسیٹا کہ چلو تو میرے ساتھ مگر تو یہ کیجئے۔ یہ بچی بڑی سنی چلاتی ہوں۔ حالانکہ یہ طے تھا کہ چیخنا قطعی بیکار ہوتا۔ چور دیوار کاٹ کر اندر پہنچ کر قبل اس کے کہ چیخیں پڑوسیوں کو بیدار کریں منہ

بند کر دیتے۔ دراصل ایک لمحہ ضائع نہیں کرنا چاہئے تھا۔ صرف ایک صورت تھی کہ اگر چھینا بھی ہے تو جلد کرو ہیں دیوار کے پاس پہونچ کر جیسے تاک گھسنے سے تو روک سکو۔ ورنہ اگر چوہ گھس آئے تو خیریت نہیں ہے۔ لیکن چھوٹی بی نے انکار کر دیا۔ اور یہ تجویز کی کہ آؤ سب مل کر کمرے میں بند ہو جائیں۔ جب چمکی نے یہ دیکھا کہ وقت جاتا ہے تو اس نے چھوٹی بی کو آنے کی تاکید کرکے وہیں چھوڑا اور خود لپک کر پہونچی ...... ڈیوڑھی کے دروازے سے جھانک کر دیکھا گو اندھیرا تھا مگر اینٹوں کے سرکنے کی آہٹ صاف آرہی تھی۔ دبے پاؤں آہستہ سے وہ اتری اور چپکے سے ٹھہر ٹھہر کر ہوشیاری سے آگے بڑھی۔ اور بڑھتے بڑھتے دیوار کے پاس پہونچکر دیوار سے لگی لگی بالکل ہی قریب پہونچ گئی اور اس نے دیکھا کہ سوراخ کافی بڑا ہو گیا ہے۔ زمین سے بمشکل بالشت بھر بلند ہوگا۔ وہ بالکل ہی قریب آگئی۔ اور اس نے تیزی سے اندھیرے میں کیسی ہوئی آنکھیں کسی لوہے کی چیز سے اینٹیں گرائی جا رہی تھیں

قریب ہی گوبر جمع کرنے کا لکڑی کا پھاوڑہ رکھا ہوا تھا مضبوط سے مضبوط چور کا سر پھوڑ دینے کے لئے کافی تھا۔ اس نے چپکے سے اپنے کو اسی عجیب و غریب آلہ سے مسلح کیا۔ دیوار کی چنائی چونکہ پرانے زمانہ کی تھی۔ اس لئے سوراخ آہستہ آہستہ بڑا ہو رہا تھا۔ چمکی اس پھاوڑے کو لئے سوراخ کے قریب ہی بیٹھی تھی۔

چمکی کو جب گئے ذرا دیر ہوئی اور بچہ بھی فوراً ہی سو گیا تو چھوٹی بی بھی ڈرتے ڈرتے آگئی اور دروازہ میں جھانکی۔ چمکی نے دیکھ کر اشارے سے بلایا۔ جب وہ نہ آئی تو واپس جا کر پکڑ لیا۔ دراصل اب چمکی نے چوروں کو بھگانے کے بجائے ان کے پکڑنے کی تدبیر سوچی تھی۔ جونہ چھوٹی بی کا ارادہ کر چپکے سے اس نے لا کر دیوار کے سہارے ذرا فاصلے پر کھڑا کر دیا۔ لکڑی ایک ہاتھ میں دیدی۔ اور پھر جگہ پر پہونچ گئی۔

جب سوراخ کافی بڑا ہو گیا تو چمکی نے دیکھا کہ ایک ہاتھ نکلا اور غائب ہو گیا یہی موقع تھا۔ قریب ہی بھینس کا کھونٹا تھا چمکی نے کھونٹے سے بھینس کی رسی کا پھندا کھولا۔ اور اس کو خوب بڑا کر کے ہاتھ میں تیار رکھا۔ چوروں کی باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ اور باتوں سے معلوم ہوا کہ اب کوئی داخل ہوگا۔ فوراً ہی مٹی سرکنے کی آہٹ ہوئی۔ اور چمکی پھندا رسی کا لے کر آگے جھکی۔ چوروں کا قاعدہ ہے کہ پہلے ایک پیر ڈال کر دیکھتے ہیں اور پھر بعد اطمینان دوسرا پیر ڈالتے ہیں۔ اور پھر کھسک آتے ہیں۔ سر اس وجہ سے نہیں ڈالتے کہ مبادا کوئی کچومر نکال دے۔ چنانچہ ادھر چور نے اپنا پیر داخل کیا ہے کہ پورا پیر آتے ہی چمکی نے بڑی پھرتی سے بھینس کی رسی کا پھندا چور کے پیر میں ڈال کر کھینچ دیا۔ اور پکڑ کر زور سے گھسیٹا اور چلائی زور سے: اور پھر چونڈا لے کر بھینس پر پلی ہے تو بھینس تھان سے بھاگی درحالیکہ چور کی ٹانگ اس میں بندھی تھی۔ اب ادھر تو چمکی نے بھینس کی کمر پر لٹھوں کی بارش کر دی اور ادھر چور نے جو ہائی کھینچی ہے الاماں۔ چمکی اور چھوٹی نے غل مچایا ہے وہ علیحدہ۔ قصہ مختصر محلہ سر پر اٹھا لیا۔ ادھر بقیہ چوروں نے جو دیکھا کہ معاملہ نازک ہے تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ ذرا غور فرمائیگا کہ چور کی صرف ایک ٹانگ اندر اور بقیہ جسم باہر اور بھینس ہے کہ کھینچ رہی ہے دھر کے۔ ظاہر ہے کیا حال ہوا ہوگا۔ بڑی مشکل سے محلہ والوں کو خبر ہوئی۔ وہ بھی چمکی کی مسلسل اور خارشگاف چیخوں سے۔ کیونکہ چور صاحب تو بسبب اس عجیب و غریب تفریح کے بیہوش ہو چکے تھے۔

محلہ والے بڑی مشکل سے لالٹینیں اور لاٹھیاں لے کر نکلے۔ آ کر اس عجیب و غریب سین کو دیکھا۔ کہ وہ مضمون ہے کہ "ایک بٹا چار" کے بجائے "چور بٹا چار" یعنی ایک عدد بھینس چور صاحب کو بیچ بیچ چار پر تقسیم کر رہی ہے۔ اور اگر کچھ دیری اور لگے تو

عجب نہیں کہ سوال حل ہو جاتا اور "چور کا سر" اس طرف ہوتا اور باقی بولا کے اُس طرف۔

چور کو جب اِس حالت سے نکالا گیا تو نیم مردہ تھا۔ چکی نے پہچان لیا اس کا چاہنے والا سوجیا تھا۔ لوگ اسے ہسپتال لے گئے اور پولیس میں اطلاع کی اور فوراً پولیس موقعہ پر پہنچی۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ عشاق سخت جاں نے کبھی اس سے زیادہ صبر آزما اور "پیچ شکن" چوٹ بھی معشوق ستمگر کے ہاتھوں برداشت کی ہوگی۔ ہماری دانست میں عشق میں جو درجہ سوجیا نے حاصل کیا وہ آج تک نہ تو کسی نے حاصل کیا نہ کر سکے سینکڑوں نے گردنیں کٹا دیں۔ کسی نے تیشے سے سر پھوڑا۔ کسی نے سینے پر برچھیاں اور تلواریں سہیں۔ مگر ٹانگیں چیر کر اس طرح پھینک دیا جانا اور چیز ہے۔ اور وہ بھی معشوق کے ہاتھوں۔ جب میں سوجیا کی قسمت پر غور کرتا ہوں اور اس امر پہ کہ خدا نے غریب کی جوانی مٹی میں ملانا لکھی بھی تو کس کے ہاتھوں! تو میرے اوپر رقت طاری ہو جاتی ہے۔

دوسرے ہی دن مجھے تار سے مطلع کیا گیا اور میں چونکہ دور نہیں تھا لہٰذا رات کے گیارہ بجے گھر پہنچ گیا۔ اور کل حال سے آگاہ ہوا۔ نہ پوچھئے کہ چکی اور چھوٹی بی کا کیا حال تھا۔ اب تو وہ چھوٹی بی کی چکی ہو گئی "میری چکی" کہتے چھوٹی بی کے منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ آج چھوٹی بی کے سامنے چکی نے بڑی آزادی سے بڑھ بڑھ کر اپنے کارنامے سنائے۔ بڑی آزادی اور دھڑلے کے ساتھ خوب ہنس ہنس کر چھوٹی بی کے ڈرنے کا اور بزدلی کا ڈرامہ پیش کر دیا۔ ایسا کہ ہنس کر چھوٹی بی نے کہا کہ "چل مردی۔ . . . . مارے دیتی ہوں جوتی"

مگر نہیں چھوٹی بی خوش تھی۔ بیچارہ خوش کیا تھی۔ دراصل وہ بھی تو اس قصے میں

شریک تھی۔ جس کے ثبوت میں وہ لکڑی دکھائی گئی جو چھوٹی بی کے ہاتھ میں تھی معلوم ہوا کہ اس لکڑی کو پولیس میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

سوچیا کا حال سنئے۔ دوسرے روز میں ہسپتال میں اس کو دیکھنے گیا ڈاکٹر نے کہا کہ اس کا کولھا اتر گیا۔ گھٹنا ٹوٹ گیا۔ ٹانگیں بیچ بیچ چر گئیں۔ ایسی کہ عمر بھر کے لئے بیکار ہوگیا۔ لیکن بچنے کی قوی امید ہے۔ بشرطیکہ اندرونی چوٹیں خطرناک صورت نہ اختیار کرلیں۔ کیونکہ جھٹکوں اور ضربات کے سبب اندرونی ضربات ایسی پہونچیں تھیں کہ اس کو خون آرہا تھا۔ اور خیال تھا کہ گردوں وغیرہ کے حوالی میں سخت ضربات آئی ہیں۔ میں نے جب دیکھا تو نیم بیہوشی کا عالم تھا۔ آنکھیں بھی کھولنے سے معذور تھا۔ صرف خفیف سی کبھی کبھی کراہنے کی آواز آتی تھی۔

مجھ کو نہیں معلوم تھا کہ جس وقت میں ہسپتال میں تھا چمکی بھی موجود تھی۔ سوچیا کو دیکھ کر گھر کی طرف چلا تو تھوڑی دور چل کر چمکی ملی۔ وہ بھی گھر جا رہی تھی۔ مجھ کو دیکھتے ہی اس کے منہ سے آہستہ نکلا "عالیجاہ ...... کہاں گئے تھے؟"

میں نے اس کے چہرے پر عجیب و غریب شادمانی دیکھی۔ دراصل رات کو جب سوچیا کی ٹانگ اپنے گلے کی رسیاں باندھ کر ہماری بھینس نے رقص فرمایا تھا تو اتفاقاً چمکی کے پیر پر بھینس کا پیر پڑ گیا۔ کچلا تو نہیں گیا تھا ایسا خم آیا مگر ہاں سوج گیا تھا۔ اور خفیف سی لنگڑاہٹ تھی۔ میں نے یہ نہ بتایا کہ سوچیا کو دیکھنے گیا تھا۔ بلکہ اس سے پوچھا کہ چھوٹی بی نے بڑی تاکید کے ساتھ ہسپتال بھیجا تھا۔ اور ہسپتال والوں نے توجہ تک نہ کی۔ کوئی معمولی دوا پھریری سے لگا دی۔ جلدی سے یہ کہہ کر چمکی نے کہا

"عالی جاہ تم مجھے میرے گاؤں پہنچا دو"

میں ایک دم سے گویا چونک پڑا۔ اس کے شاداب چہرے پر ایک دم سے رنج د

غم کی گھٹا چھا گئی۔ میں سمجھ گیا۔ لیکن میں نے وجہ پوچھی۔ اس نے پہلے تو کچھ نہیں کہا۔ مگر پھر یہ وجہ بتائی کہ "تم مجھ سے خفا ہو" میں نے انکار کیا تو وہ پھر پھٹ پڑی۔

یہ واقعہ تھا کہ وہ مجھ سے چھوٹی بی کی طرح محبت نہیں کرنا چاہتی تھی چھوٹی بی نے اس کو اس کے جائز حقوق سے محروم کر رکھا تھا۔ وہ بیل کی طرح گھر کا کام کرتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ آقا کی خدمت بیوی یا حکمرانی نہیں کیا کرتی۔ لونڈیوں اور باندیوں کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ آقا دراصل گھر کی بیوی کا تو مالک ہوتا ہے مگر اس طرح غیر مشترکہ مالک نہیں ہوتا ہے۔ یہ ساری محنت و مشقت کس لئے تھی۔ اور پھر آخری سوال "عالیجاہ! کیا تم مجھے اسی لئے لائے تھے؟"

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اسی لئے لایا تھا۔ چھوٹی بی نے اسی لئے بلایا تھا کہ دن رات محنت کرتی رہے اور عشق بازی یا جورو بننے کے لئے ہرگز نہیں لایا تھا۔

لیکن میں نے اس سے یہ نہیں کہا۔ اس کو دلاسا دیا۔ سمجھایا بجھایا اپنی محبت کا یقین دلایا۔ خود اس کا دل بھی یہ بات جانتا تھا۔ مگر آگاہ بھی کر دیا کہ اگر ذرا بھی اپنے حقوق کا اعادہ کیا تو میری تو خیر آفت آئے گی لیکن یاد رہے کہ اتنی جوتیاں پڑی ہوں کہ چاند پیلی ہو جائے گی۔

یہ سنکر ہنسنے لگی۔ کہنے لگی "عالیجاہ۔ تم بہت اچھے ہو۔ چھوٹی بیوی بھی بہت اچھی ہیں۔ میں جانتی ہوں وہ بہت اچھی بی بی ہیں"

میں نے کہا "جب ہی تو میں بھی کہتا ہوں۔ مار الگ پڑے گی۔ اور عجب نہیں کہ نکال دی جاؤ۔

اس نے حقارت آمیز لہجہ کہا " ہوں " اور گردن کو ایک جنبش دی۔
میں نے کہا " تو نہیں نکلے گی "
" بولی " نہیں "
میں نے کہا " اور ابھی گاؤں جو جاتے تو کہتی تھی "۔
کہنے لگی " تم بھیجدو تو چلی جاؤں گی "
میں نے ایک دم سے باتوں کا رخ بدلا۔ اس قصّہ کو چھوڑ کر کہا " کیوں ری کیا تو جوتیاں کھائیگی جب ملنے گی؟...... میرے سامنے تو کیوں نہیں ناچتی؟" یہ مزاحیہ جملہ سنکر باغ باغ ہو گئی۔ ہم دونوں گھر کے دروازہ کے قریب پہنچے تھے۔ میں نے اس سے دعدہ لیا۔ کہنے لگی کہ اب کی دفعہ ضرور ناچوں گی انکار نہیں کروں گی۔ یہ کہتے ہم دونوں مکان میں داخل ہوئے۔ اب بھی باتیں کرتے اپنے چہرے پر غضب کی مسکراہٹ! اور چہرے پر شرارت اکٹھا کر کے بولی۔ میں نے پوچھا " آخر کیوں نہیں ناچتی؟"
کہنے لگی " عالیجاہ شرم آتی ہے "
" شرم ....." میں نے کہا اور ایک دم سے اس کے گلے میں دونوں ہاتھ ڈال کر میں نے منہ چوم لیا۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ مسکرا کر مڑ کر ایک دفعہ دیکھا اور چلی گئی۔ میں مصلحتاً لوٹ گیا اور ایک دو منٹ بعد گھر میں آیا۔ کھانا تیار تھا جلدی سے کھا کر دفتر چلا گیا۔

چمکی کی طبیعت میں جولانیت تھی۔ وہ پیشتر کی بہ نسبت زیادہ بشاش تھی زیادہ ہنس مکھ تھی۔ جب آنکھیں چار ہوں مسکراتی تھی۔ یا ایک دم سے شرما جاتی تھی۔ میں خود اسے دیکھ کر ہیکل سا ہو جاتا تھا۔

شام کو دفتر سے آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چھوٹی بی چمکی کے پیر بیٹھی سینک رہی ہے

اور وہ بھی نہایت ہی توجہ سے۔ میں نے اس غیر معمولی توجہ کی وجہ پوچھی تو دونوں مسکرانے لگیں "یہ کیا معاملہ ہے؟" میں نے پوچھا۔ تو جمکی نے مارے ہنسی کے گٹھڑی مٹھڑی ہو کر منہ چھپالیا۔ میں نے کہا "تم دونوں اوّل نمبر کی احمق ہو"

مجھ کو در اصل نہیں معلوم تھا کہ ایک بڑے زبردست گانے بجانے کے جلسے کی تیاری ہو رہی ہے۔ اور یہ پیر کا علاج بھی اسی سے تعلق رکھتا ہے

ناچ یا ڈرامہ

ایک روز کا ذکر ہے کہ دفتر سے آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ پلنگ پر سنہرے اور روپہلے گوٹے کا ایک پھیلاؤ ہے۔ چھوٹی بی چمکی کے لئے جوڑا بنا رہی تھی۔ وہ جو اس نے جوہروں کی فتح کے انعام میں بنلانے کو کہا تھا۔ یہ جوڑا کیسا تھا؟ اتنا گوٹہ ٹھپا کہ سر سے پیر تک چمکی سچ مچ چمکی ہو جائے۔ جوڑا دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ پہننے والی کا نام چمکی ہے واقعہ دراصل یوں ہے کہ یہ تو ایک بہانہ تھا۔ ورنہ مقصد اصل یہ تھا کہ ناچ گانے کے لئے کوئی ایسا جوڑا ہونا چاہئے۔ گویا ویسے پہننے میں نہیں آئے گا میں دیکھتے ہی سمجھ گیا۔ اور اسی دن رات کو چمکی کھانا لا رہی تھی۔ تب اس نے رازدارانہ لہجہ میں بتایا کہ یہ جوڑا کس لئے ہے اور یہ کہ پرسوں گانا بجانا ضرور ہوگا۔ "اور تو میرے سامنے ناچے گی؟" مسکرا کر مسکرا کر اس نے کہا۔ "ہاں" مجھے یقین نہیں تھا کہ چھوٹی بی مجھے یہ تماشہ دکھائیگی اور واقعی چھوٹی بی کا بھی ارادہ نہیں تھا لیکن چھوٹی بی کی ایک سہیلی کے بھائی کی شادی تھی۔ اور تجویز یہ تھی کہ چمکی کو زنانخانہ میں نچائیں یہ اسی کی تیاریاں تھیں اور مجھ سے چھوٹی بی نے پوچھا تھا تو میں نے دبی زبان سے ہوں ہاں کر کے اس کی مخالفت کی تھی۔ خود سوچتے میں یہ کیسے گوارا کر لیتا کہ میری منکوحہ عورت پرائے جلسوں میں جا کر ناچے۔ میری مرضی خلاف پا کر چھوٹی نے یہ سوچا کہ مجھے

راضی کرے۔ میرے عادات لنگ یہ تھے کہ آخر چمکی کے ناچ میں کیا خصوصیت ہے اور یہ کہ وہ ایسی باتوں سے تنگ آ کر بھاگ جائیگی۔ ابھی اس کو دن کے ہونے ہیں۔ وہ جب گھر کے گھر ناچتے شرماتی ہے تو اس کو خواہ مخواہ دق کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اور آج جب رات کو پھر باتیں ہوئیں تو چھوٹی بی نے مجھے چمکی کے ناچ اور گانے کی خصوصیات بتائیں۔ اور بتانے کا وعدہ کیا کہ میں خود دیکھ لونگا۔ یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ وہ نہیں شرمائی ہے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ تو خود رضا مند ہے۔ مگر میں ان شرعی حیلوں پر جما رہا۔ اور بے اعتنائی کا اظہار کرتا رہا۔

سنیچر کا دن تھا اور چھوٹی بی نے بچوں کو جلدی سے کھانا کھلا کر سلا دیا اور جب بچے سو گئے تو چھوٹی بی نے ناچ کی تیاری کی۔ واضح رہے کہ میں اخلاقیات کا درس ہرگز نہیں دے رہا ہوں۔ مگر قبل اس کے کہ میں ناچ کا ذکر کروں کچھ اس کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

• مجھ کو نہیں معلوم تھا کہ ناچ کس کو کہتے ہیں۔ اور آپ کو بھی غالباً نہیں معلوم ہے ایک تو وہ ناچ ہے جو برسوں کی محنت و مشقت کے بعد پیشہ ور عورتوں کو آتا ہے اور ایک اصلی اور قدرتی ناچ ہے۔ غیر فطری ناجائز اور حرام اور فطری اور قدرتی جائز۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ انجن اسٹیم سے چلتا ہے اور لوگ اس کو دھکیل کر بھی لے جاتے ہیں۔ یعنی اسٹیم کے جوش سے اور ہاتھوں کی قوت سے۔ دونوں طرح چلتا ہے۔ بجنسہ یہی ناچ کا حال ہے۔ محبت کے زور سے اور روپے پیسے کے زور سے۔ دونوں طرح دیکھیئے۔ حرکت وہی ہے۔ پیشہ ور عورت پیسے کے زور سے حسب فرمائش مذاقیہ اور عشقیہ گیت گاتی ہے۔ درحالیکہ اس نیک بخت کو نہ تو دنیا میں کسی سے عشق ہوتا ہے سوائے پیسہ کے۔ اور جہاں

تک فرق کا سوال ہے جس لفظ کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ مگر واہ رے عشق اور واہ رے تصنع اور واہ رے ہنر! جی نہیں چاہتا۔ عارہ یہ عارہ کرہی ہے لیکن حاضرین جلسہ کے اصرار سے اس کو ہجر و فراق کے مین مد گانے اور ناچ کے دکھانا پڑتے ہیں۔ مصنوعی طور پر وہ آواز بھی دردناک بنا لیتی ہے۔ چہرہ بھی غمگین بنا لیتی ہے۔ جذبات کی بھی خوب نقل کرتی ہے حرکات و سکنات بھی پیدا کر لیتی ہے اور حاضرین جلسہ خوب ہی تو داد دیتے ہیں۔ میں اس کو بغیر اسٹیم کا انجن کہا کرتا ہوں۔ اور مجھ ایسے بد مذاق کے لئے دراصل اس قسم کا گانا ایک گتے کے بھونکنے سے بعد تحقیقات بہتر ثابت ہو چکا ہے لیکن یہ مسئلہ ہنوز زیر بحث ہے کہ آیا خوشی کے موقعہ پر ناچ کی غرض سے حضرت اونٹ کی خدمات سے مستفیض ہونا بہتر ثابت ہوگا یا ایک پیشہ ور عورت۔ خیر اس کو تو ہم ایسے بدمذاقوں کے متعلق ایک جملہ معترضہ سے زیادہ اہمیت نہ دیجئے میں اصل قصہ پر آتا ہوں آیئے میں آپ کو ایک عجیب و غریب ڈرامہ دکھاؤں۔

چھوٹی بی نے ناچ گانے کی تیاری کی۔ سنگار والی میز جس کمرے میں تھی وہ بند کر دیا۔ میں باہر برآمدہ میں بیٹھا ہنستا رہا۔ تھوڑی دیر بعد برابر والے کمرے کی طرف کا دروازہ جو کھلتا معلوم ہوا تو ادھر گیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ چھوٹی بی ایک بڑا سا آسمانی رنگ کا صافہ باندھے ہوئے! چوڑیاں وغیرہ اتار دی تھیں! گنوار وفیشن کا گاڑھے کا نیم آستین اور اس پر گاڑھے کی ایک گنوار وفیشن کی مردانہ دھوتی! دونوں کانوں میں بجلے جن دونوں کے بڑے بڑے پھندنے لٹک رہے۔ ہر مہرت نہایت ہی واہیات اور بھدی مونچھیں بنی ہوئیں۔ مجھے دیکھتے ہی بھائی جو ہنس کر تو میں نے جھپٹ کر پکڑ لیا۔ اور اپنے "عالیجاہ" کو کلیجہ سے لگا کر..... مگر جھمکی نے زور کر چھڑا لیا

"میرا عالیجاہ ......" لاحول ولا قوۃ ...... چھوٹی بی کا گھڑا الگ گرا ہم سب کا مارے ہنسی کے برا حال تھا۔ چھوٹی بی "عالیجاہ" بنی تھی۔ چمکی اپنے بھڑ کیلے لباس میں تھی۔ اور اس کا ایک جوڑا اب میرے لئے حاضر تھا۔

"یہ کیا؟" میں نے کہا۔ جب چھوٹی بی کپڑے لے کر بڑھی۔

معلوم ہوا کہ خیر سے یہ لباس میرے لئے ہے۔ چھوٹی بی عالیجاہ ہیں۔ چمکی اس کی معشوقہ اور میں اس کی سوت! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

واللہ! عورتیں بھی کس قدر شریر اور پرفتن چیز ہیں۔ چھوٹی بی کی نوجوان آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ یا میرے اللہ! میرے کلیجہ میں اس کے حسن وجمال کی برچھیاں سی گھسی جاتی تھیں۔ اس کے گورے ہاتھ۔ ننگے پیر دھوتی کا نیم برہنہ لباس چمکنی ہوئی پنڈلیاں بلور کی طرح۔ چہرے پر مسکراہٹ لوٹ رہی تھی اور میں کہہ رہا تھا: "یہ کیا حماقت ہے!" مجھے چمکی کا لہنگا پہنایا گیا اوڑھنی اور شلوکہ۔ اور پھر میرا یہ حلیہ دیکھ کر چھوٹی بی اور چمکی مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گئیں۔ چھوٹی بی نے چمکی کے چہرے پر خوب پاؤڈر ملا۔ سرخی لگائی ایسی کہ سچ مچ ناٹک کی پری بن گئی۔ چمکی کا بھدا زیور بھی میں نے پہن لیا۔ اب ہم تینوں گانے کے کمرے میں آئے۔

چھوٹی بی کو چنگ بجانا نہیں آتا تھا۔ اور چمکی گاؤں کی رہنے والی چنگ خوب بجاتی تھی۔ پہلے سے اس نے چنگ منگایا تھا۔ مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ چھوٹی بی نے چمکی کی طرف سے خط ڈال دیا تھا۔ اور مجھے معلوم بھی نہ ہوا کہ کب چنگ آیا۔

چھوٹی بی اور میں ایک جگہ پاس پاس بیٹھ گئے۔ میں نے ہارمونیم لیا۔ اس چھوٹی بی عالیجاہ بن کر بیٹھی۔ چمکی نے اپنا چنگ لیا اور پیروں میں گھنگرو باندھ کر زرق برق کپڑے پہن کر چنگ سے پیر کا تال سُر ملانا شروع کیا۔ اور پھر تھوڑی

اس کے بعد اپنے دیہاتی گیت کی تان کھینچی۔ چھما چھم گانا۔ رنلج! انتہا سے زیادہ بیہودہ! فحش اور لغو! مگر انتہا سے زیادہ عجیب و غریب گیت تھا۔ اس کے فحش اور بیہودہ حصہ کو چھوڑتا ہوں۔ چنگ اور گھنگرو کے ساز پر اس نے شروع کیا۔ گیت مجھ کو یاد نہیں۔ جگہ جگہ سے مفہوم اس کا یاد ہے۔

گیت

میرے عالیجاہ۔ عالیجاہ۔ عالیجاہ

(اس کی مخاطب چھوٹی بی تھی وہ جھوم جھوم کر چنگ بجا کر چھوٹی بی کو مخاطب کرتی تھی)

بستر کے مہکتے ہوئے پھولوں کی خوشبو دار اور میری اٹھتی جوانی۔

میرے شباب کی سوندھی سوندھی خوشبو

اور میری تمام خواہشات کی گرمی۔

میرا دھڑکتا ہوا دل۔

میرے نوجوان سینے کی گرمی۔

اے میرے عالیجاہ یہ سب تیرے لئے

(پھر میری طرف جھکی چنگ لے کر بڑھی)

تو آوارہ عورت ہے جس نے میرے عالیجاہ کو چھین لیا۔

خدا تجھ کو اور بدصورت کر دے (اس پر خوب ہنسی ہوئی)

میرے حسن کو دیکھ

میری آنکھوں کو

میری خوبصورت ناک کو

میری چمکتی ہوئی پیشانی کو۔
میری سرگمیں اور نشیلی آنکھوں کو
میرے رخساروں کی نرمی
میری سانس کی گرمی

ارے کمبخت۔ سوتوں کی ماری کیا تجھ کو کوئی بوڑھا نہیں ملتا۔

(یہ کہتی ہوئی چمکی بل کھاتی گنگناتی گٹکڑیاں لیتی چھوٹی بی کے پاس پہنچکر کے بل کھاتی ہے)

اے میرے عالیجاہ تم اس بدصورت کو چھوڑدو۔
اے میرے عالیجاہ تم اس ہرجائی کو چھوڑ دو (یعنی مجھ کو)

اور پھر اوندھی سیدھی گالیاں! میری طرف انگلی اٹھا اٹھا کر ایسی کہ چھوٹی بی کا اور میرا ہنسی کے مارے برا حال ہوگیا۔ چھوٹی بی نے کہا "مردی یہ گالی گلوج رہنے دے ......شرم نہیں آتی تجھ کو...."

جواب میں چمکی کی آنکھوں کی چمک اور بڑھ گئی۔ ابروؤں کو جنبش ہونے لگی۔ اور اس نے تان کھینچی۔

عالیجاہ۔ عالیجاہ
تمہاری سانس کی گرمی اب بھی میرے رخساروں کے رونگٹوں کو گرماتی ہے۔ تمہاری باہوں کا خم میری گردن پر اب بھی محسوس ہو رہا ہے۔
تمہارے آغوش کا دباؤ اب بھی محسوس کرتا ہے۔
اور تمہارے بوسوں کی گرمی سے میرے ہونٹ سرخ ہوگئے ہیں۔
اے میرے عالیجاہ۔ اے میرے عالیجاہ۔ میں اپنے ماتھے کی بندی اب بھی ڈھونڈھتی ہوں۔

میں اس جنگلی لڑکی کے حرکات و سکنات اور جنبشوں پر مرمٹا۔ اس کے حرکات میں کس قدر صداقت تھی۔ وہ ناچ رہی تھی یا سچ مچ چنگ کو چھوڑ کر بجز جھٹکنے لگتی تھی تو بجائے ناچ کے وہاں تو حقیقت کی جلوہ گری سامنے تھی۔ پھر اس نے شروع کیا۔

اے میرے عالیجاہ۔ عالیجاہ۔
میں تم کو کلیجہ سے لگاؤں گی
میں تمہارے سینے سے چمٹ کر بڑی بڑی سانسیں لوں گی۔
میں تمہاری گردن میں منہ چھپالوں گی۔
میں اپنے کاجل سے تمہارا کندھا سیاہ کردوں گی۔
میں تمہارے آغوش میں پھنس جاؤں گی۔

اے میرے عالیجاہ تم میرے ساتھ آؤ

کس مزہ سے اور کس طرح بنا بنا کر جھگی نے کھڑے ہو کر بیٹھ کر بل کھا کھا کر چھوٹی بی کے آگے گھٹنے ٹیک ٹیک کر اور چنگ کی صدا پر ناچ ناچ کر یہ گیت گایا ہے کہ مجھے تو لٹا لٹا دیا۔

اس کے بعد پھر میرے اوپر نزلہ گرا۔ اور پھر وہی مجھے مغلظات گالیاں اور پھر اپنے عالیجاہ پر غصہ۔

اے میری نفسانی خواہشوں کے مرکز (چھوٹی بی کو مخاطب کرکے)
ظالم اور بد قماش دیوتا۔
جھوٹے دلبر
اے بدقماش اور آوارہ عاشق۔
اے بیوفا اور ظالم انسان

اے کچے لوہے کے کھانڈے۔
تجھ کو شرم نہیں آتی۔ شرم نہیں آتی۔
اے میرے عالیجاہ خدا تیری داڑھی سوتوں میں تقسیم کر دے۔
اور یہ کہہ کر اس نے مصنوعی طور پر چھوٹی بی کی داڑھی نوچنے کا جو سین دکھایا ہے تو بس نہ پوچھئے۔ چنگ پھینک کر خود بھی ہنسی کے مارے پاگل بن گئی۔
پھر اس کے بعد مجھ سے کہا گیا کہ گھونگھٹ نکالوں۔ لاحول ولا قوۃ۔ میں نے بگڑ کر کہا "تم دونوں احمق ہو" مگر تو یہ کیجئے۔ عورت بری بلا ہے۔ مرد ہے کون چیز۔ یہ دونوں بہت جلد یہ بحث کر رہی تھیں کہ جتنا گھونگھٹ ہم نے نکالا ہے۔ اتنا ہی کافی ہوگا یا اور پھر اس کے بعد مجھے یہ خیال کر کے تسلی ہوئی کہ یورپ میں مرد ناچتے ہیں اور ویسے واجد علی شاہ خود زنانہ کپڑے پہن کر ناچتے تھے!
خدا بچائے جوانی اور خوبصورت جورودں سے۔ اچھی احمق بنا دیتی ہیں قصہ مختصر رات کے دو بجے تک یہی ہنسی کھیل کرتے رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس وقت چھوٹی بی نے صافہ باندھے مردانہ لباس پہنے مجھ سے مسکرا کر گلے میں باہیں ڈال کر پوچھا ہے تو میں نے اپنے "عالیجاہ" کو پھر گلے سے لگا لیا اور قائل ہو گیا کہ واقعی چکی کا ناچ بھی عجیب و غریب چیز ہے! تم اس کو جہاں چاہو لے جاؤ۔ اور نچاؤ۔ مگر اس وقت تو خدا کے لئے میرے کلیجہ سے الگ ہو جاؤ اور میں نے اپنی خوبصورت اور پیاری بیوی کو خوب سا کلیجہ سے لگایا دعائیں دیں کہ کیا مزہ کا تماشہ دکھایا ہے۔ واللہ جورو ہو تو ایسی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ میں اس قدر وارفتہ ہو رہا تھا کہ دیر تک چھوٹی بی کو کلیجہ سے لگائے بیکل سا رہا اور چکی ؟ نہ پوچھئے۔ چھوٹی بی تو کلیجہ سے لگی ہے اور وہ ظالم دور ہی سے دل

میں ہے کہ ایسی چٹکیاں لے رہی ہے کہ چین نہیں پڑتا۔

چمکی کپڑے بدل کر چلی بھی گئی۔ لیٹ بھی رہی۔ برابر دیکھتی گئی۔ مڑ مڑ کر۔ اور ہم دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی محبت میں سرشار چمکی کے ناچ کی تعریف کر رہے تھے۔ عورت کو نہیں معلوم کہ مرد مجسم غداری ہے۔ کجا چھوٹی بی اور کجا وہ گنواری چمکی۔ ایک نور تھا کہ اس کے سامنے ایک بیوہ کا منحوس چراغ۔ کجا گلاب کا پھول اور کجا سوکھ کٹھیا کا کانٹا! بھلا چھوٹی بی سے اور چمکی سے کیا نسبت۔ علیؔ کے پسینے اور گلاب کی بو میں فرق ہے۔ بہت!

بیکلی

دراصل یہ رات قیامت خیز تھی۔ میرا خود کا یہ حال ہوا کہ چمکی کی چمک دل میں گھس گئی۔ خیالات سطح زبان پر آتے معلوم دیئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ چمکی کے ساتھ یہی رویہ رکھوں گا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ چمکی اسی طرح مجھ سے علیحدہ رہے گی۔ وہ تو منکوحہ ہے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ بڑے بڑے گھرانوں میں بیویاں باندیوں کو حکم دیتی ہیں کہ جاؤ میاں آرام فرماتے ہیں سر میں تیل ڈالو یا ہاتھ پیر دابو۔ کیا چھوٹی بی بچہ ہے کیا جانتی نہیں کہ چمکی بھی آخر انسان ہے۔ کیا چھوٹی بی کو نہیں معلوم کہ چمکی بھی تو آخر منکوحہ ہے؟ خوب جانتی ہے۔ یہ بھی جانتی ہے کہ میں اس کو چھوڑ کر چمکی کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جو محبت چھوٹی بی سے ہے وہ کیسے چمکی سے ممکن ہے۔ مگر آخر خدا کے یہاں بھی تو جواب دہی کرنی ہوگی۔ یہ خیالات ہر وقت دل میں۔ اور چمکی کی صورت سامنے۔ اور اُدھر چمکی کا حال کہ آنکھیں اس کی مجھے اور بھی نشیلی معلوم دیتیں۔ چہرے کی دلکشی ہزار گنی۔ انداز کی دلبری جان کھینچ لیتی! رات کی تصویریں سامنے آکر اس بری طرح چمکتیں کہ تڑپ جاتا۔ جب آنکھیں چار ہوتیں ایک تیر سا دل میں اتر جاتا! غضب ہے خدا کا اس جنگلی لڑکی نے کیا جادو کر دیا!

ادھر چمپکی کا یہ حال کہ نہ صرف آنکھیں بلکہ حرکات و سکنات سب ہی غمازی پہ تلے ہوئے ہیں۔ وہ مضمون کہ دونوں طرف برابر محبت کی آگ بھڑک رہی تھی۔

اور چھوٹی بی ؟ نہ پوچھئے۔ اعتماد اور اطمینان کے سایہ میں بے خبر آنکھیں بند۔ مرد کی محبت کی عجیب و غریب ناؤ میں مزے سے گویا بہی چلی جا رہی ہیں۔ کیا عورت ذات خود کو اتنا دھوکہ دے سکتی ہے ؟

آٹھ دس روز عجیب حالت میں گذرے۔ اس دوران میں صرف دو دفعہ چمپکی کو گلے لگانے کا موقعہ ملا۔ اور اس کو بھی میں نے دہکتے ہوئے انگارے کی طرح پایا حتی کہ چھوٹی بی نے کہا کہ میں کل چار روز کے لئے جاتی ہوں مع چمپکی کے اپنی سہیلی کے بھائی کی شادی میں۔ دراصل اس شادی کے محکمہ رقص و سرود کی چھوٹی بی آنریری سکریٹری تھی۔ میراثنوں کا انتخاب بھی چھوٹی بی کے سپرد تھا۔ اور چھوٹی بی کا ارادہ معلوم ہوتا تھا کہ اس موقعہ پر بڑا زبردست کمال کیا جائے گا۔

میں نے کھانے پینے کا انتظام کر لیا تھا اور چھوٹی بی گھر بار اکیلا میرے اوپر چھوڑ کر چلی گئی۔ میرا گھر میں بڑا جی گھبراتا۔ اس قدر گھر گھسنا آدمی کہ دوستوں سے ہمیشہ وحشت رہی۔ دیکھتے ہی لوگ کہتے کہ کیا جورو کو سسرال بھیج دیا مگر وقت تو کاٹنا ہی تھا۔ ادھر ادھر غپ شپ میں وقت گذرتا۔ سب سے زیادہ اڑنگا بھینس کا تھا۔ ایک گھوسی پہلے روز آیا۔ دوسرے روز میں نے دودھ دہی کے فضیحتوں سے تنگ آکر بھینس کو اسی گھوسی کے یہاں مہمان بھیجدیا۔

تیسرے روز ایک عجیب ہی معاملہ پیش آیا۔ تنہائی کے سبب رات گئے گھر آتا تھا۔ حویلی میں نئی نئی بجلی لگی تھی۔ اندھیرا گھپ رہتا تھا۔ کوئی رات کے بارہ بجے

ہو گئے جو گھر ٹٹولتا ہوا کمرے میں پہنچا۔ سردی کے دن تھے۔ بتی جلائی کپڑے اتارے اور سیدھا سامنے کے کمرے میں گیا اور پھر بتی گل کر کے مسہری کا پردہ اٹھا کر لحاف کھینچ کر لیٹ رہا۔ میری عادت ہے کہ سب بتی کروٹ سے بایاں پیر پلنگ کی پٹی پر تکیہ رکھ کر اس پر سہارا لے کر سوتا ہوں۔ پڑ رہا۔ نیند آئے ہی کو تھی، بلکہ آ گئی تھی کہ مجھے کچھ شبہ ہوا۔ ایک دم سے آنکھ کھل گئی۔ یہ کون؟ گھبرا کر میں نے کہا "چھوٹی بی"۔ آواز آئی "عالیجاہ .... میرے منہ سے بے اختیاری کے عالم میں نکلا جمکی" اس نے رقت آمیز لہجہ میں کہا "عالیجاہ ...." میں نے اس جنگلی چنبر کو گلے لگاتے ہوئے پوچھا کہ "تو کہاں سے اور کدھر سے آ گئی"؟ معلوم ہوا کہ پیشتر ہی سے یہ ترکیب کی تھی کہ پشت کے مردانہ کمرے کا دروازہ ہمیشہ اندر سے بند رہتا ہے۔ بجائے اندر سے بند کرنے کے چھوٹی بی نے تالا باہر سے ڈال دیا تھا۔ اس خیال سے کہ نہ معلوم کس وقت آنا ہو۔ میں گھر پر موجود نہ ہوں تو ادھر سے کھول کر چلی آئیں۔ اور شادی کی گڑبڑ میں چھوٹی بی نے کنجی کھو دی ہے۔ چھوٹی بی کے سینے میں درد تھا۔ دن اور رات جاگی تھی اور جاگنا تھا۔ بچوں کو خود سنبھالا اور جمکی کو گانے کی پارٹی کے ساتھ دلہن والوں کے یہاں کچھ اور عورتوں کے ساتھ بھیجا۔ وہاں سے یکا یک تالے کے چھوٹی بی کے پاس جانے کا بہانہ کر کے چلی آئی۔ کنجی اڑا دی تھی۔

سب سے پہلے میں نے بتی روشن کی اور اس کو گھسیٹ کر نکالا کہ وہی گاؤ مگر اصل اور نادر درد یعنی چنگ۔ میں نے کہا کچھ پرواہ نہیں۔ ہارمونیم نکال لایا اور میں نے وہی گیت۔ وہی رات والا طوفانی گیت معہ اسی ایکٹنگ کے سنا جب جا کر کہیں چین پڑا۔

باتیں کرتے رہے اور ابھی صبح نہ ہوئی تھی کہ چمکی چلی گئی۔ اس کے دوسرے دن چھوٹی
بی آگئی۔ بیحد خوش تھی۔ لیکن سخت مضمحل اور تھکی ہوئی تھی۔ چمکی نے شادی کے
جلسے کا رنگ باندھ دیا۔ اور وہاں خوب گانے ہوئے۔ شادی کی ہڑبونگ
میں چمکی کی غیر حاضری کا کسی کو علم بھی نہ ہوا۔
اب حال میرا یہ کہ چمکی نے دیوانہ کر دیا تھا۔

طلاق

یہ تازہ واقعات کسی طوفان کا پیش خیمہ نظر آتے تھے۔ جن کا مجھے ابھی سے علم تھا۔ خود حیرت ہوتی ہے کہ چھوٹی بی کی آنکھیں بالکل بند تھیں۔ مگر نہیں اس جوشش عمل سے چھوٹی بی کو تو میں اور بھی کلیجہ سے لگائے لیتا تھا۔ میری اور اس کی محبت عشق کے حدود سے بھی متجاوز ہو چکی تھی۔ اور ہم دونوں واقعی ایک جان اور دو قالب تھے۔ اور چمکی کا خیال یا چمکی کی محبت اس سے زائد کبھی نہ معلوم دی کہ ایک وفادار اور انتہا سے زیادہ دلچسپ اور پیاری نوکرانی ہے۔ جو ہم دونوں کی خدمت کے لئے ہے۔ اور اس کی خدمت اور وفاداری نے اس کو اس التفات کا مستحق بنا دیا ہے اور پھر اس کو بھی تو آخر اس گھر سے ہمیشہ کے لئے ہم نے منسلک کر لیا ہے۔

ان واقعات کے بعد ہی چمکی کی حالت میں ایک نمایاں تغیر پیدا ہوا۔ ثانیۃً چیت لٹھے بیٹھے ہنسنے بولنے میں اس کو گونہ آزادی حاصل ہو گئی۔ ہنسی مذاق اور زندہ دلی کی بھی اس کو سوجھی۔ مجھ کو وہ عالیجاہ شروع ہی سے کہتی تھی۔ کبھی کبھار چھوٹی بی بھی مذاق میں "عالیجاہ" کہنے لگی۔ ہمہ بھی چھوٹی بی کو عالیجاہ کہنے لگا۔ اور چمکی اب بے تکلفی سیکھ رہی تھی۔ زور زور سے بولنے لگی۔ چیخنے اور ہنسنے

لگی۔ اور واقعہ تو در اصل یہ ہے کہ اس رنگ میں عورت ہو تو حقیقت نہیں چھپتی۔ اور پھر گھر کے گھر میں۔ اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میری حالت متغیر نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ کہ بہت جلد میں نے محسوس کیا کہ چھوٹی بی ایک دم سے چونک پڑی۔ کیا کوئی چھمی اور مجھے دیکھ کر یہ کہہ سکتا تھا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی واسطہ نہیں؟ چنانچہ میں نے غور کیا کہ چھوٹی بی ہم دونوں کے حرکات و سکنات کو بڑے غور سے دیکھتی ہے۔ چمکی تو احمق ٹھہری، اس کو اتنی کہاں سمجھ یا عقل کہ بار بار ایسی باتیں نہ کرے کہ جس سے کوئی خاص شبہ ہو۔ اور میرا یہ حال کہ ایک عجیب قسم کی گھبراہٹ میں رہنے لگا۔ بار بار یہی جی چاہتا تھا کہ کیوں نہ اس مسئلہ کو چھوٹی بی سے طے کر لیا جائے۔ اور کیوں نہ چھوٹی بلت چمکی کے حقوق طے کر لے جائیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ دستاویز کی نقل ایک خود چھوٹی بی کے پاس ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ چمکی کے کیا حقوق ہیں اور چھوٹی بی کو سب معلوم ہے کہ اگر چمکی کے اولاد ہوگی تو اس کے کیا حقوق ہوں گے پھر یہ چوری کیسی؟ معلوم ہوا خطا خود میری ہے۔ شروع ہی سے غلط راستہ اختیار کیا۔ میں اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ معاملات از خود ایک خاص نوبت پر آ گئے۔

کوئی پندرہ دن بھی نہ ہوئے ہوں گے کہ ایک نیا معاملہ پیش آیا۔ باوجود ہر قسم کی احتیاط کے غلطی ہو گئی۔ میں کمرے میں کھڑا گنگنا رہا تھا۔ چمکی پاس کی کرسی جھاڑ رہی تھی۔ میری طرف کبھی مسکرا کر دیکھ لیتی۔ آنکھوں میں زندہ دلی چہرہ پر لرزش اور کام میں منہمک۔ وہ رہ رہ کر گنگناتی نہایت ہی آہستہ سے ایک گنگناہٹ سی لیتی۔ جیسے طنبورہ کا تار لرز کر رہ گیا۔ بس جھنجھناتی سی آواز کی رمق سی آتی ...... "عالیجاہ" ...... سامنے برآمدے میں چھوٹی بی بیٹھی تھی۔ اور

وہ اٹھ کر باورچی خانہ کی طرف گئی۔ درحالیکہ وہ برابر کے کمرے میں گھسی۔ میں نے جھک کر چھوٹی بی کو دیکھا۔ پھر چمکی کو۔ ایک طلسم سا چمکی کے چہرے پر کوند گیا۔ میں نے بے اختیار ہو کر گلے سے لگا لیا۔ اور لگایا ہی تھا کہ سامنے قریب چھوٹی بی ...... گھبرا کر میں نے چمکی کو چھوڑ دیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور بھاگتی ہے۔ وہ کمرے سے نکل گئی۔ اور ادھر ایک خوفناک گرج کے ساتھ چھوٹی بی نے گھر سر پر اٹھا لیا اب میں خدا کے واسطے دیتا ہوں۔ کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر وہ روتی ہوئی جوتی لے کر جا اٹھی ہے تو سیدھی چمکی پر۔ اپکڑ کر غریب کو مارے جوتیوں کے سچ مچ چمکا کر رکھ دیا۔ اور جہاں تک فیصلہ کرنے کا سوال ہے کوئی لفظ اٹھا نہ رکھا اور حکم یہ کہ نکالو اس حرافہ کو۔

میں کیا کہتا۔ نہ میں خود اسے بلانے گیا تھا اور نہ نکلنے والا۔ تمہیں نے بلایا تھا۔ نکال دو۔ ہاں میں اس کو نکال دوں گی۔ ابھی ابھی۔ کھڑے کھڑے...." اور پھر جھک پڑی چمکی پر۔ چمکی نے یہ ترکیب کی کہ اپنی چارپائی پر منہ دیکر گٹھڑی مٹری جنہ کر پڑ گئی۔ خواہ مارو خواہ پیٹو نکال سکو تو نکال دو۔ ورنہ جس طرح بنے مار و کوٹو۔ نہ جواب نہ تو اب۔ چھوٹی بی نے زبان سے۔ جوتی سے۔ ہاتھ سے سب طرح کوشش کی اور یہ کارروائی نہ معلوم کب تک جاری رہتی کہ چھوٹی بی چمکی کی کوٹھری سے نکلی جو سہی تو اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور چھوٹی بی نے تاؤ میں آکر باہر سے آکر کنڈی لگا دی۔ اور اب ہم دونوں میاں بیوی میں معرکہ کی باتیں ہوئیں۔ میں نے سارا الزام چھوٹی بی پر دیا۔ اس کو تسلیم تھا۔ لاجواب تھی۔ میں نے تسلیم کیا کہ میں نے غلط پروگرام بنایا۔ جس سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ ہم دونوں اجمیر میں کئی دن رہے۔ چمکی نے بھی غلط بنایا۔ ذمہ دار میں خود تھا مگر سوچیے تو میں نے کون سا ظلم کیا۔ کیا وہ میری منکوحہ بیوی نہیں

ہے۔ میں نے کون سا اخلاقی جرم کیا؟ کون سا میں نے گناہ کیا؟ چھوٹی بی نے روتے ہوئے سب تسلیم کیا کہ بینک میں نے کوئی خطا نہیں کی۔ چمکی کی بھی کچھ خطا نہیں ہے۔ پھر یہ جھگڑا کیسا؟ کچھ بھی نہیں۔ چھوٹی بی نے کہا۔ غلطی میری ہے۔ میں تو یہ جانتی ہی تھی۔ لے اب اس جھگڑے کو ختم کرو۔ باز آئی میں نوکرانی سے تم اسے رخصت کرو۔ آج ہی رخصت کر دو۔"

ظاہر ہے مجھے اس میں کیا انکار ہو سکتا تھا۔ میں فوراً راضی ہو گیا۔ سمجھا کر نرمی سے میں نے کہا، یا کہ اگر واپس کرنا ہے شوق سے واپس کر دو جیسے راضی خوشی بلایا ہے۔ اس کا رخصتی کا روپیہ دے کر واپس کر دو۔ بڑی مشکل سے چمکی نے دروازہ کھولا اسے مطلع کیا گیا کہ ماری کوئی نہیں جائے گی اور سہولت کے ساتھ اسے اپنے ارادے سے مطلع کیا گیا۔ اس نے آنسو پونچھتے ہوئے اٹھا کر غور سے ایک دفعہ ہم دونوں کو دیکھا اور پھر دوڑ کر سر چھوٹی بی کے قدموں میں رکھ دیا اور رو رو پھوٹ پھوٹ کر رونے۔ چھوٹی بی نے اپنی جان چھڑا کر اس کو الگ کیا اور کہا کہ کل تک روانہ کر دوں گی۔ میں نے کہا کہ پہلے اس کی ماں کو اور ہیرا کو خط لکھنا ہوگا۔ چھوٹی بی نے کہا کہ خط ابھی لکھا جائے گا۔ میں راضی ہو گیا اور ہم دونوں خط لکھنے چلے۔ مگر چھوٹی بی نے کہا کہ خط نہیں بلکہ ہیرا کو تار دیا جائے گا۔ اور ہیرا کو اسی دن تار دیا گیا کہ جلدی آؤ۔ اس دوران میں چمکی نے اپنے ارادے کا بھی اظہار کر دیا۔ وہ یہ کہ میں نہیں جاؤں گی لیکن چھوٹی بی کچھ نہ بولی۔

تیسرے دن ہیرا آ گیا۔ چمکی کو چھوٹی بی نے کام بھی نہ کرنے دیا۔ وہ اپنی کوٹھری میں منہ دیئے پڑی رہی۔ نہ معلوم اس نے کچھ کھایا پیا بھی یا نہیں۔ غالباً کچھ نہیں کھایا۔

ہیرا سے کہہ دیا گیا کہ ہم تیری بھانجی کو راضی خوشی رخصت کرتے ہیں چھوٹی بی نے مجھ سے کہا کہ اس کو طلاق بھی دیدو۔ تاکہ جھگڑا ختم ہو۔ میں نے فوراً تعمیل حکم میں ایک طلاق رجعی دیدی۔ چھوٹی بی کی سمجھ میں نہ آیا۔ کہنے لگی لکھا دو طلاق نامہ۔ میں نے فوراً تحریر بھی دیدی۔ چھوٹی بی نے تحریر اپنے پاس رکھ لی۔ دو سو روپے ہیرا کے حوالے کئے۔ اس کی رسید اور جھمکی کے سونپنے کی رسید لی۔ معاملہ ختم۔

لیکن اب میری مکاری یا غداری سنئے۔ یہ سب کچھ فرضی ڈرامہ تھا ہیرا سے میں نے کہہ دیا کہ ابھی تو اس کو لے جا۔ اپنے ساتھ رکھنا۔ ماں کے یہاں نہ بھیجنا۔ یہ میری امانت ہے۔ جھمکی کو بھی سمجھا دیا۔ یہ کہہ کر کہ جلدی بلالوں گا۔ گھبرانا مت۔ اس کو جدائی کا غم تھا۔ مگر نہیں۔ وہ میرے ارادے اور استقلال پر بھروسہ کرتی تھی۔

اسی روز رات کی گاڑی سے جھمکی کو رخصت کر دیا۔ چلتے وقت اس نے چھوٹی بی سے معافی مانگی۔ ہاتھ جوڑ کر ڈنڈوت کی۔ مجھے بھی ہاتھ جوڑ کر سلام کیا۔ کچھ منہ سے نہ بولی۔ روتی سسکیاں لیتی باہر چلی گئی۔ میں گھر سے بھی نہ نکلا۔

چھوٹی بی بالکل راضی ہو گئی۔ جیسے خفا ہی نہ تھی۔ اور میں نے اس مسخری بیوی کو پکڑ کر خوب ہی گدگدایا۔ بیدم کر دیا۔ خوب ہی گھسیٹا۔ خوب ہی ہنسایا یہ کہہ کر کہ "جل ککڑ چاسد .... شکی۔ بیوقوف۔ احمق کس نے تیری خوشامد کی تھی؟ کس نے کہا تھا کہ لونڈی لاؤ اپنے لئے میں نہیں لایا تھا۔ میں تو تیرے لئے لایا تھا۔ تیری خدمت کے لئے .... تیرے کام کے لئے .... تیری محبت کے لئے ایک جنگلی کو لے آیا۔ یہ کیسے

ممکن تھا جوان لڑکی گھر میں لونڈی بن کر رہے .... اور مجھ سے الگ رہے .... کیسے ممکن تھا کیا وہ باہر کسی سے آنکھ لگ نہ جاتی؟ ......
...... وہ خوب ہوتا!"

اور پھر میں نے ذرا تلخ لہجہ میں لتاڑا "میری صداقت پر کیسے شبہ کیا کیا کوئی باندیاں نہیں رکھتا؟ باندیوں کے پیچھے لوگ گھر کی بیویاں چھوڑ دیتے ہوں گے! باندیوں سے بھی محبت ہوا کرتی ہوگی۔ اور میں؟ میں تو ضرور ہی تم کو چھوڑ کر اس کا ہو جاتا" خیریت گذری! وہ تو کہو وقت پر تم نے اس کو نکال دیا۔ سن لو کان کھول کر وہ مجھ سے نہیں چھوٹے گی مختصر خوب ہی لعن وتشنیع سے کام لیا جھوٹی بی ہنستی ہی مسکراتی ہی مگر پھر بھی کہ اس نے کہا "سب ٹھیک ہے کچھ بھی ہو مجھے نہیں چاہیے کوئی لونڈی باندی" میں نے کہہ دیا کہ بیگم تمہیں نہیں چاہیے تو مجھے تم سے پہلے نہیں چاہیے۔ قصہ ختم ہوا۔

دوسرے ہی دن معلوم ہوا کہ گھر کو دھر کے کسی نے لوٹ دیا۔ طرفہ اس پر یہ کہ بڑا بچہ بیمار پڑ گیا۔ فوراً پھر وہی مشغلہ ہاتھ آیا۔ نوکری کی تلاش دو دن بعد جاکر نوکری ملی۔ ہمبیں کا گھوسی سے طے ہو گیا کہ صبح شام کام کر جایا کرے۔ اور گھر کا ڈھرا اب نئے انداز سے چلنے لگا۔ دراصل یہ ہماری زیادتی تھی کہ حسب حیثیت نوکر نہ رکھتے تھے ورنہ ایک نوکر باہر کے لئے چاہیے تھا۔ بازار کا کام ہمیشہ سے عجیب ڈھب سے ہوتا تھا۔ مہینے کا اکٹھا سودا دفتر کے ایک بابو کرا دیتے تھے۔ ترکاری والی ترکاری دے جاتی تھی۔ گوشت والی گوشت دے جاتی تھی۔ ایک آدھ جھبتا چپراسی لگا جاتا تھا۔ دو ایک محلہ کے لڑکے کھیلتے کھیلتے آ گئے اُن سے کام لے لیا۔ جب سے مجھی آئی تھی اور بھی سہولت ہو گئی تھی۔ دراصل الغرض نوکروں

کے گھر چلاتے کا گُر اللہ بخشے بڑی بی سکھا گئی تھیں۔

اب میں خاموشی سے یہ دیکھ رہا تھا کہ کام کی گرانباری سے چھوٹی بی کب تک ہارتی ہے۔ بچوں سے اس کو محبت تو بہت تھی لیکن پریشان بہت جلد ہو جاتی تھی۔

سُوجیا

اب کچھ سوجیا کا حال سنئے۔ بڑا سخت جان تھا جو مرا نہیں اور لوٹ پوٹ کر اچھا ہو گیا۔ لیکن ہمیشہ کے لئے ناکارہ ہو گیا۔ جس ٹانگ کی رسّہ کشی ہوئی تھی وہ ہمیشہ کے لئے ایسی جھول گئی اور کولھے سے کچھ ایسی بے تعلق ہو کر رہ گئی کہ عمر بھر کے لئے لنگڑا ہو گیا۔ وہ بھی اس طرح کہ چلنا دوبھر۔ یہی کیا کم سزا تھی جواب عدالت میں مقدمہ کی جوابدہی کرنی پڑی۔ ان کے بقیہ دونوں ساتھی بھی پکڑے آئے۔ ان میں سے ایک تو وہ تھے جن کو میں نے پانچ روپے کا نوٹ دیا تھا۔ اور دوسرے کوئی اور بزرگ تھے۔ ان تینوں کے خلاف عدالت سے میرے نام اور چمکی کے نام حاضری کے سمن آئے۔ میں نے چمکی کا سمن ہیرا کے پتے پر بھجوا دیا۔ یہ کہنا بھول گیا کہ اس دوران میں میں نے رجسٹری خط کے ذریعہ چمکی کے طلاق نامہ کو رجوع کر لیا تھا تاکہ شرعی حیلہ نہ آڑے آئے۔ تاریخ پیشی سے ایک دن پہلے چمکی آ گئی اور وہ بھی سیدھی گھر میں چلی آئی۔ چھوٹی بی اس کو دیکھ کر بھنا پڑی مگر میں نے واقعہ بتایا تو اطمینان ہوا۔ میرا ارادہ تھا کہ اگر چمکی آئے گی تو اس کو علیحدہ کہیں چپکے سے ٹھہرا دوں گا۔ مگر اب تو وہ یہاں آ گئی۔ چھوٹی بی نے اس کو ٹھہرانے سے انکار نہیں کیا۔ لیکن بالکل بے تعلق اور خاموش رہی۔ بات تک

نہ کی۔ میں بھی خاموش رہا۔

دفتر کے وقت میں سب۔ معا دفتر گیا اور وہاں سے کچہری پہنچا۔ چمکی آئی نہ تھی۔ میں نے اس کو بتایا ہی نہ تھا کہاں آنا جانا ہے۔ اور وہ جانتی نہ تھی کہ کس عدالت میں جانا ہے لہذا تھانہ دار صاحب نے یکہ لے کر ایک سپاہی اس کو لینے بھیجا اور وہ آگئی۔

ہم دونوں نے گواہی دی۔ چمکی کو میں نے اپنی منکوحہ بیوی بتایا۔ سوجیا سے مخالفت کا سارا قصہ سنایا۔ اور سوجیا اور اس کے ایک ساتھی کو شناخت کر کے چمکی کو لانے کی داستان سنائی۔ چمکی کو مجھ سے چھین لینے کی جو کوشش ان لوگوں نے کی تھی وہ بیان کی۔ چمکی نے اپنا قصہ بیان کیا۔ سوجیا اور اس کے ایک ساتھی کو اس نے بھی شناخت کیا۔ اور بھینس کے رقص کا پورا واقعہ سنایا۔ عدالت میں اس کی بہادری اور ہوشیاری کی خوب خوب تعریف ہوئی۔ سوجیا کی حالت نہ صرف قابل رحم بلکہ عبرتناک تھی۔ کم از کم میرے لئے اس کے سامنے اس کی محبوبہ بیوفائی اور ظالم کا پیکر بنی کھڑی تھی جو اپنے مظالم کی داستان لطف لے لے کر بیان کر رہی تھی۔ درحالیکہ اس کا جانبازانہ عاشق کھڑا ان مظالم کو صبر و سکون سے سن رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چمکی کے خوبصورت چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اور وہ ٹکٹکی باندھے اس کو برابر دیکھتا رہا۔ کبھی کبھی ایک لمبا سانس لیتا تھا۔ اور میری طرف جو مڑ کر دیکھتا تو میں دوسری طرف منہ پھیر لیتا تھا۔ عبرت!

یہاں سے گواہی دے کر ہم دونوں ایک ہوٹل میں پہنچے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی "عالیجاہ۔ عالیجاہ" کہتی ہوئی مجھ سے چمٹ کر خوب روئی۔ میں نے کلیجہ سے لگایا۔ دلاسہ دیا۔ محبت سے آنسو پونچھے۔ پھر اطمینان سے بیٹھ کر چلتے۔ پھل اور

مٹھائی کھلائی ۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہم دونوں اجمیر کے ایک ہوٹل میں بیٹھے کھاپی رہے تھے ۔ مگر جب اور اب میں فرق تھا ۔ جب وہ ایک محض بدتمیز گنواری تھی اور اب میرے ساتھ بیٹھ کر مزے سے کھاپی رہی تھی ۔

ہم دونوں شام کے پانچ بجے تک یہاں رہے اور پھر تانگہ کر کے سیدھا اس کو تو میں نے گھر بھیجا اور بعد میں خود جس طرح روزانہ آتا تھا اسی طرح پہنچا اسی رات کی گاڑی سے چمکی روانہ ہو گئی ۔ میں نے جلتے وقت سپاہی طرح اس کے سلام کا جواب بھی نہ دیا ۔ مگر چپراسی سے میں نے کہہ دیا تھا کہ اسٹیشن پر مل جائے اور آرام سے زنانہ ڈبہ میں بٹھا دے ۔

رات کو چھوٹی بی سے چمکی کے بارے میں دیر تک باتیں ہوا کیں ۔ وہ اس کے جانے پر قطعی متاسف نہ تھی ۔

اس کے مہینے ڈیڑھ مہینے بعد کا ذکر ہے ۔ میں دفتر سے آ کر بیٹھا ہی تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ چمکی چلی آ رہی ہے ! اس دفعہ تو میں بھی چونک پڑا ۔ اس نے ایک سرکاری پروانہ دیا ۔ دراصل سوجیا کا مقدمہ فیصل ہو چکا تھا ۔ خود اس کو سال بھر کی قید ، محض اور اس کے ساتھیوں کو تین تین برس کی قید سخت ہوئی تھی ۔ اور جج نے اپنے فیصلہ میں چمکی کی بہادری کی بہت تعریف کی تھی ۔ فیصلہ میں لکھا تھا کہ اس بہادر لڑکی نے ایک خوفناک جرم کے ارتکاب کو اپنی بہادری اور عقلمندی سے روک دیا اور اگر یہ نہ ہوتی تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت ہمارے سامنے کس قدر ہولناک جرم کے ارتکاب کا مقدمہ پیش ہوتا جس کا اندازہ لگانے کے لئے یہی کافی ہے کہ مجرم ایک ایسا شخص تھا جو سخت زک اٹھائے ہوئے تھا اور یقیناً اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی ۔ جس کے بجھانے کے لئے غالباً وہ بے بس عورتوں کے ساتھ ہر نا روا سلوک کر گذرتا ۔ ہماری دانست میں پولیس اور گورنمنٹ کو

اس بہادر لڑکی کی ہمت افزائی کرنی چاہیے تاکہ لوگوں کو ایسے کام کرنے کی ترغیب ہو۔

چنانچہ یہ اس فیصلہ کا نتیجہ تھا کہ گورنمنٹ نے چمکی کی ہمت افزائی کے لئے سو روپیہ کا انعام اور ایک سرٹیفکیٹ تجویز کیا تھا۔ اور چمکی اسی لئے آئی تھی کل اس کو حاکم ضلع کے ہاتھ سے انعام لینا تھا۔

میں نہیں عرض کر سکتا کہ دل ہی دل میں کس قدر خوش ہوا ہوں۔ میری بیوی کو بہادری کی سند مل رہی تھی۔ نہ کیسے خوش ہوتا۔ باغ باغ ہو گیا۔ جی میں تو یہی آیا کہ اس بہادر کو چھاتی سے لگا کر ابھی ابھی منہ چوم لوں۔ میں اس جنگلی بیوی کو کتنا پسند کرتا ہوں۔ کتنی اچھی ہے۔ ایک تحفہ ہے۔ بالکل ہی ایک خاصہ کی چیز ہے۔ بس گویا باجرہ کی روٹی۔ اور وہ سامنے کھڑی چپک رہی تھی۔ انتہا سے زیادہ بھولی اور معصوم صورت بنائے۔ چھوٹی بی اس کو آنکھیں مچکا کر شاید خجالت کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جس میں شاید رشک کا بھی عنصر تھا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ سوچتی ہو کہ اس قسم کی سند مجھے بھی مل جاتی۔

چھوٹی بی بہ نسبت پیشتر اور بھی زیادہ بے رخی سے ملی۔ اور جب چمکی ہٹی تو جھنجھلا کر بولی۔

"یہ تو اس نے گھر دیکھ لیا ہے۔"

فوراً میں نے کہا۔ "نکال دو ابھی۔ تمہاری مرضی نہیں ہے تو ہرگز مت ٹھہرنے دو۔"

چھوٹی بی میری طرف دیکھنے لگی تو میں نے کہا۔ "دیکھتی کیا ہو؟" پھر کچھ نہ بولی۔ میں بھی چپ ہو رہا۔ مگر الحمد للہ میری جان حزیں پر کوئی کرم نہ ہوا۔

دوسرے دن میں نے اور بھی احتیاط کی۔ چمکی نے مجھ سے پوچھا کہ کہاں اور کدھر جاؤں۔ میں نے کہہ دیا کہ بگّہ والے کو بلا کر بتا دوں گا۔ میں تو دفتر گیا اور تانگے والے کو راستہ سے ضروری ہدایت دیکر گھر بھیج دیا۔ دفتر میں کس مسخرے کا جی لگتا۔ سیدھا میں بھی پہنچا۔ اور سب سے پہلے یہ دیکھا کہ سرٹیفکیٹ میں شوہر کا نام بھی ہے کہ نہیں۔ معلوم ہوا کہ مقابلہ کی مسل سے نام لیا گیا ہے لہذا میرا نام ضرور ہوگا۔ اب اس کو میری کمزوری کہیئے۔ وقت آیا تو حاکم ضلع نے کئی افسران کے روبرو چمکی کو نقد سو روپے دیئے اور سرٹیفکیٹ دیا۔ اور جتنے آدمی بھی جمع تھے ان کے سامنے ایک مختصر سی تقریر کی۔ مجھ کو مبارکباد دی اور چمکی کی پیٹھ ٹھونک کر شاباشی دی۔ ہم دونوں یہاں سے ہوٹل آئے اور حسبِ سابقہ پروگرام کے شام کو گھر پہنچے۔ چمکی پہلے چلی گئی تھی اور میں پہنچا تو چھوٹی بی اور اس میں اس امر پر جھگڑا ہو رہا تھا کہ چمکی بچوں کے لئے مٹھائی لائی تھی اور کل انعام کا روپیہ بچوں کو دینا چاہتی تھی۔ چھوٹی بی نے یہ نذر قبول نہیں کی۔ بات بڑھ گئی تھی۔ اور شاید چمکی رو رہی تھی جب میں پہنچا۔ چھوٹی بی کہہ رہی تھی "نا بابا! میں نے مٹھائی لے لی۔ یہی بہت سمجھو"۔

اسی روز رات کو چمکی چلی گئی۔ اور میرے دل پر ایک اور بھی گہرا نقش چھوڑتی گئی۔ میرے سامنے ایک عجیب و غریب نسوانی پیکر تھا۔ جو ہر لمحہ قابل پرستش ہوتا جا رہا تھا۔ کئی روز تک میں چمکی کے خیال میں مستغرق رہا۔ ہر دم اسی کا خیال تھا۔ مجھے اس کے کیرکٹر میں نسوانی کیریکٹر کا معیار نظر آتا تھا۔ وہ کیریکٹر جس کے آگے بڑے بڑے کو وقار مردوں کو جھکنا پڑتا ہے سرکشی ایسی کہ دیکھیں تو گور نر جھک جائیں!

اور پھر اس کے ساتھ وہ شیریں ادائیں! وہ سادگی اور وہ محبت کی گرمی جو ان

بدن میں ایک آگ سی پھونکے دیتی تھی۔

لیکن میں خاموش تھا۔ بالکل چپ تھا۔ نہ تو دیوانہ تھا اور نہ بوالہوس بلکہ جس وقت اپنی پیاری رفیقۂ حیات کے ساتھ باتیں کرتا ہوتا تو مجھ کو معلوم ہوتا کہ سارے جہاں کا حسن و عشق سمٹ کر اس نورانی پیکر میں آگیا ہے۔ اور ایک انتہا سے زیادہ مہکتا ہوا اور ہنستا ہوا پھول ہے۔ جس کی خوشبو نے میرے لئے عالم کائنات کو معطر کر رکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو چھوٹی بی سے محبت نہیں بلکہ عشق تھا۔ اور باوجود اتنا عرصہ گذر جانے کے اس عشق میں وارفتگی تھی۔ وہ اس طرح میرے دل میں گھسی ہوئی تھی اور اس طرح من میں بسی ہوئی تھی کہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ جمی کے بارے میں ہم دونوں ہم خیال ہیں۔ چھوٹی بی اور میں کچھ دو تو نہیں ہیں۔ چھوٹی بی اور جمی کے تقابل کا تو کچھ خیال ہی نہ تھا۔ گھنٹوں اسی خیال میں ڈوبا رہتا۔

واپسی

ایک روز کا ذکر ہے کہ رات کو ہم دونوں سونے سے قبل ادھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے کہ چھوٹی بی کے چچازاد بھائی کی شادی کا ذکر آیا۔ ملازمہ کا سوال بدستور ناقابلِ اطمینان اور پیچیدہ تھا۔ اسی ماہ چھوٹی بی اس شادی میں جانے والی تھی۔ میں بہت پہلے ہی عذر کر چکا تھا۔ شادی کی تاریخ چھ سات ماہ پہلے ہی معلوم ہو گئی تھی۔ اور اب خط آیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ نوکرانی نہیں ہے۔ وہاں ساتھ کون جائیگا۔ میکے کی پہلی شادی تھی اور یہ ناممکن تھا کہ چھوٹی بی اس حیثیت سے جائے کہ ساتھ خادمہ بھی نہیں۔ پہلے تو ایک عورت راضی بھی ہو گئی تھی۔ لیکن پھر اس نے بھی انکار کر دیا۔ معاً مجھے چمکی کا خیال آیا لیکن چپ رہا۔ صورت چمکی کے آنے سے پہلے تھی بدستور بلکہ اس سے بھی بدتر تھی۔ اللہ بخشے بڑی بیوی نوکرنیوں کے بارے میں ایک عجیب و غریب معیار قائم کر گئی تھیں۔ اور اس معیار کو غالباً چمکی نے اور بھی بلند کر دیا تھا۔ نتیجہ وہی دن رات کی نِت فضیحتی تھا۔ ہر ملازمہ ہم سے نالاں اور ہم اس سے نالاں۔ نوکرانیاں کہتی تھیں ہم نوکر رکھنا نہیں جانتے اور چھوٹی بی کو اس لفظ سے چڑ تھی۔ اتفاق دیکھئے کہ ادھر تو میں سوچ رہا تھا چمکی کا بیجانا کیسا رہے گا۔ اور اُدھر چھوٹی بی بھی یہی

سوچ رہی تھی۔ چنانچہ آخر کو اس نے کہہ ہی دیا۔ اور مجھ سے مشورہ لیا۔ میں گویا تیار ہی بیٹھا تھا۔ فوراً مخالفت کر دی اور مشورہ دیا کہ "ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ کسی طرح مناسب نہیں ہے" چھوٹی بی نے جو وجہ پوچھی تو وجہ بھی میں نے یہی بتائی کہ "ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ کیا فائدہ۔ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ کچھ مناسب نہیں ہے" وغیرہ وغیرہ

دراصل چھوٹی بی دیکھ رہی تھی کہ میں شروع ہی سے چمکی کی طرف سے کس قدر بے اعتنائی برت رہا ہوں۔ جب سے وہ گئی ہے اور بھی خود میرے گلے کا ہار ہو گئی ہے۔ میری طرف غور سے دیکھکر کہنے لگی۔

"اس میں حرج ہی کیا ہے .... میں تو لیجاؤں گی"

"اور وہاں لیجا کر اس کو نچاؤں گی ...." میں نے چھوٹی بی کی نداق میں گردن دبانے ہوئے گویا اس کی طرف سے جملہ پورا کیا۔

"ہاں نچاؤں گی بھی ......" چھوٹی بی نے پھول کی طرح ہنستے ہوئے کہا "تم کون لتنے دن کمبخت ہمارے یہاں رہی کیا اتنا کام نہ کر دیگی"

میں نے کہا "میں کیا جانوں کر دیگی کہ نہیں۔ تم جانو اور وہ جانے"

دوسرے دن چمکی کو خط لکھ دیا گیا۔ اس طرح جانا ہے۔ کوئی آدمی نہیں ہے دو مہینے کے لئے ساتھ چلنا ہوگا۔ اگر رضامند ہو تو فلاں دن چلی آؤ۔ اور خرچ بھیجیں۔ جواب میں چمکی کا خط آیا کہ میں آپ کی لونڈی ہوں ضرور چلوں گی مگر اتنے دن شاید نہ رہ سکوں۔ کیونکہ میرے رشتہ داروں میں خود کسی شادیاں ہیں۔ اور نانی بیمار ہے۔ چھوٹی بی نے خرچ بھیج دیا اور وہ جانے سے دو روز پہلے آ گئی۔ اور بڑی خوشی خوشی چھوٹی بی کے ساتھ چلی گئی۔ سفر کا معاملہ تھا اور کوئی مرد ساتھ نہ تھا۔ راستہ میں احتیاط اور ہوشیاری کی میں نے تاکید کر دی۔

کیونکہ شادی کا معاملہ تھا لہٰذا زیور اور روپیہ سب ساتھ تھا۔ اور سفر لمبا بھی تھا
خدا کی شان ہے کہ راستہ میں عجیب و غریب معاملہ پیش آیا۔
بدقسمتی سے زنانہ گاڑی میں تین عورتیں رہ گئیں۔ چھوٹی بی، چمکی دیا ایک اور کوئی عورت اور رات کے دو بجے کے قریب دو ڈاکو گاڑی میں گھس آئے یہ اس کا نتیجہ تھا کہ ایک باتونی عورت نے باتوں ہی باتوں میں معلوم کر لیا تھا کہ کون ہو اور کہاں جا رہی ہو اور یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ وہ کون سا بکس ہے جو کلیجہ سے لگا رکھا جا رہا ہے۔ یہ خود تو ایک جگہ اتر گئی اور دو ڈاکو چھپ کر گاڑی کے پائیدان پہ بیٹھے رہے۔ اور ایک دم سے بے خبری میں داخل ہوئے جب گاڑی پوری رفتار سے جا رہی تھی۔ تیسری عورت کی طرف انھوں نے توجہ بھی نہ کی۔ ایک دم سے چاقو نکال کر چھوٹی بی اور چمکی پر پل پڑے۔ چھوٹی بی تو سہم کر رہ ہی رہ گئی۔ مگر چمکی گھبرا کر اٹھ بیٹھی تو انھوں نے خنجر دکھایا اور مار ڈالنے کو کہا اور چھوٹی بی کا اوڑھنا جو گھسیٹا تو وہ چیخی۔ چمکی نے کہا کہ ان کو مت چھیڑو اور کہو کہ نہ مارو ہم سب حوالہ کر دیں گے۔ ایک چور نے کہا کہ بچوں کو باہر پھینک دو۔ گھبرا کر چھوٹی بی نے فوراً کنجی حوالے کر دی اور چوروں نے بکس کھول کر نقد اور زیور سنبھال لیا۔ تیسری عورت پاخانہ میں قلعہ بند ہو چکی تھی۔ وہ بھی ذرا نہ چیخی۔ چور نہایت ہی اطمینان سے بیٹھے رہے اور جب انھوں نے موقعہ دیکھا تو کھڑکی کھول کر اترنے لگے۔ جیسے ہی ایک اترا ہے اور دوسرا اترنے کو ہوا تو چمکی سے نہ رہا گیا۔ اس نے لوٹا اٹھا کر چور کے منہ پر مارا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ چھڑا دیا۔ اور چلتی گاڑی میں وہ سر کے بل نیچے گرا۔ اور پھر چھوٹی بی اور چمکی نے جو دہائی کھینچی تو کھینچے ہی چلی گئیں جب تک کہ گاڑی نہ رکی۔ برابر کے ڈبہ والوں میں سے کسی نے چور

کے گرنے کی آواز سنی۔ اور پھر چیخ جو سنی تو گاڑی کی زنجیر کھینچ دی۔ گاڑی گو ہلکی ہو گئی تھی مگر کافی رفتار تھی۔ بہت سے آدمی دوڑ پڑے اور حالات سے آگاہ ہوئے گاڑی پیچھے چلائی گئی۔ اور دوڑ کر لوگوں نے چور کو سنبھالا۔ ایک نگل چکا تھا مگر دوسرا مل گیا۔ لوٹا جو چور کے منہ پر مارا تھا۔ وہ بھی مل گیا اور نقد اور زیور بھی مل گیا۔ چوروں نے اترنے سے پیشتر ہی زمین پر پوٹلی پھینک دی تھی۔ لہذا اس کی تلاش کی گئی تو وہ بھی مل گئی کیونکہ قبل اس کے کہ دوسرا چور اندھیرے میں پوٹلی ڈھونڈھ سکے ایک ساتھی گر گیا اور گاڑی رک گئی۔ لہذا یہ ذرا دور جا کر جستجو سے مل گئی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سوائے ایک بندے کے کچھ بھی نہ گیا۔ چور کا منہ ٹوٹ گیا اور ہاتھ پیر سب ٹوٹ گئے تھے۔ اس کو گاڑی میں رکھ لیا گیا لیکن دوسرے اسٹیشن پر پہنچے ہیں تو وہ مر چکا تھا۔ پولیس والے گاڑی ہی میں دوسرے اسٹیشن سے بیٹھ گئے اور چھوٹی بی اور چمکی اور تیسری عورت کے بیان لے لئے۔ اور پتہ لکھ لیا اور سفر کھوٹا نہیں کیا۔ مجھ کو اس واقعہ کی تار سے صبح اطلاع ملی مگر نہایت ہی مبہم۔

اب وہاں کچھ شادی کا حال سنئے۔ چھوٹی بی کا خط آیا جس سے ریل کے ڈاکہ اور چمکی کی بہادری کا حال معلوم ہوا تھا۔ اس کے بعد ایک اور خط آیا جس میں چھوٹی بی نے چمکی کے ناچ اور گانے کا اس قدر خوش خوش ہو کر حال لکھا تھا کہ عرض نہیں کر سکتا۔ چھوٹی بی چمکی سے بیحد خوش تھی۔ اور اس خوشگوار تبدیلی سے میں بھی بہت خوش تھا۔ ایسا خیال ہوتا تھا کہ کہیں چھوٹی بی چمکی کو پھر نہ رکھ لے کیونکہ چمکی نے ابھی ابھی کس قدر معرکہ کی خدمات انجام دی تھیں لیکن نہیں معرکہ کی خدمت تو اب انجام دینا تھی۔

شادی کے ختم ہونے کے بعد ایک اور معاملہ پیش آیا۔ چھوٹی بی ابا کے گھر میں

باہر مردانخانہ کے احاطہ میں ایک بڑا سا کنواں تھا۔ دوپہر کو بڑا ہچاٹک بند رہتا تھا اور سناٹا تھا۔ دو ایک محلہ کے بچے کھیل رہے تھے بچے کھیلتے کھیلتے کنوئیں پر پہونچے بہشتی کا ڈول اور رسی رکھی تھی اس سے کھیلنے لگے۔ نہ معلوم کس طرح بڑا بچہ کنوئیں میں جا پڑا۔ واللہ اعلم بچوں نے دھکیل دیا یا گر گیا محلے کے بچے بجائے خبر کرنے کے بھاگ گئے۔ چھوٹا بچہ گھر میں بھاگ کر آگیا اور بجائے کچھ کہنے کے وہ بھی چپ ہو کر ایک کونہ میں بیٹھ گیا۔ لیکن بچہ چپ چپاتا آکر جو بیٹھ گیا تو ماں کو خیال ہوا کہ دوسرا بچہ کہاں گیا۔ آواز جو دی تو یہ بھی نہ بولا۔ ایک دم سے چمکی کو بھی خیال ہوا کہ کنوئیں پر بچے کھیلتے تھے۔ اس طرف تو شبہ ادھر ادھر سب کا ذہن ایک خاص دھماکے کی آواز کی طرف اب منتقل ہوا۔ اور بچوں کے شور و شغب کا ایک دم سے غائب ہونا۔ چھوٹی بی نے بچہ سے پھر پوچھا۔ اس نے رو کر بھائی کے کنوئیں میں گرنے کی تصدیق کی۔ بس پھر کیا تھا۔ اللہ دے اور بندہ لے۔ سب کی سب عورتیں دیوانہ وار کنوئیں پر دوڑیں، بچہ کو دیکھا تو ڈوب رہا تھا۔ سب کے ہوش جاتے رہے اور تو کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ کنوئیں میں ڈول ڈال کر چیخنا شروع کیا کہ بچہ رسی پکڑ لے۔ اور کھڑی سب چیخ رہی ہیں۔ مگر بچے کو حواس کہاں۔ کوئی دم میں جاتا تھا کہ چمکی نے سب کو ہٹایا۔ ڈول کی رسی پاکھے میں باندھ کر اسی کے سہارے کنوئیں میں سیدھی اتر گئی۔ رسی مونجھ کی اور کھردری تھی پھر تیزی سے اترنا۔ نیچے پہنچ کر پانی میں ہاتھ ڈال کر بچے کو سنبھالا جبھی تو معلوم دے آگ میں ہاتھ ڈال دیا۔ در اصل رسی کی رگڑ سے دونوں ہاتھوں کی چمڑی ادھڑ گئی۔ بچے کو تو اس نے پانی سے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور دوسرے ہاتھ سے رسی پکڑے اندر سے اس نے آواز دی کہ مت گھبرانا بچہ محفوظ ہے عورتیں

کے دم میں دم آیا۔ اتنے میں مرد بھی دروازے پر جمع ہو گئے تھے۔ عورتیں ہٹ گئیں۔ مردوں نے آکر جھولا ڈالا اور رسّوں کے ذریعہ چمکی اور بچّے کو گھسیٹا۔ بچہ پانی تو بہت سا پی گیا تھا مگر ہوش میں تھا اور کوئی خطرہ نہ تھا۔ اب ادھر چمکی جو اوپر پہنچی تو چہرہ زرد اور رسّی بائیں ہاتھ سے نہیں چھوٹتی۔ کھال اُدھڑ گئی تھی رسّی میں ہاتھ جوں کا توں چپک کر رہ گیا۔ دوسرا ہاتھ بھی بے طرح زخمی تھا۔ اور اس قدر تکلیف تھی کہ چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اور لوگوں نے رسّی جو ہاتھ سے چھڑائی ہے تو بیہوش ہو گئی۔ رسّے کے ریشے ہاتھ کے زخموں میں سیکڑوں کی تعداد میں پھانس کی طرح چبھ کر رہ گئے۔ اب اور تو جو کچھ ہوا لیکن چھوٹی بی نے چمکی کو گلے سے لگا لیا۔ سب کی سب عورتیں اس کی ہمت اور بہادری کی داد دے رہی تھیں۔ چھوٹی بی کی والدہ کو تو غش آگیا تھا۔ وہ اٹھیں تو چمکی کی بلائیں لینی اٹھیں۔ اور سب کے سب اس کی تیمارداری میں لگ گئیں۔ سارے محلّہ میں ہلڑ مچ گیا۔ جو تھا وہ چمکی کی تعریف کر رہا تھا۔ محلہ کی عورتیں محض چمکی کو دیکھنے کو آ رہی تھیں اور ہر کس و ناکس کی زبان پر یہی تھا کہ اگر ایک لمحہ بھی اور ضائع ہو جائے تو بچّہ گیا تھا۔ چھوٹی بی کے والد تو تھے نہیں، بڑے بھائی تھے، وہ دفتر سے آئے تو انھوں نے سب مجھے تار دیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ بچہ کنوئیں میں گر گیا تھا جسے چمکی نے کنوئیں میں سے نکال لیا۔ تفصیل چھوٹی بی کے خط سے معلوم ہوئی۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ میں چمکی کے اس کارنامہ پر کتنا خوش ہوا۔ اور خوشی بھی ایسی کہ بار بار وشا بار۔ دو طرفہ خوشی۔ ایک تو بچّہ کی اور ایک چمکی کی بہادری کی۔ میں نے چھوٹی بی کو لکھ دیا تھا کہ چمکی کا اچھی طرح علاج کرنا اور انعام دینا۔

اب اس کے بعد کے حالات اور بھی دلچسپ ہو گئے۔ جھمکی کو سب چھوٹی بی کی نوکرنی یا باندی تو سمجھتے تھے۔ سب ہی نے انعام واکرام دیا۔ مگر اس نے ایک کوڑی نہ لی۔ ناچ گانے کا انعام تو یوں نہیں لیا کہ کوئی پیشہ ور نہیں۔ لیکن اس موقعہ پر انکار ست اور بھی تعجب ہوا۔ جب لوگوں نے بہت اصرار کیا تو جھمکی نے کہا مجھے انعام نہیں چاہیے۔ اگر میں نے کوئی خدمت کی ہے تو اس کا یہ صلہ ہو سکتا ہے کہ مجھے نکالا نہ جائے۔ یہ بھی کوئی بڑی بات تھی۔ ایک سے ایک سفارشی موجود اور پھر چھوٹی بی کس منہ سے انکار کرتی۔ ریل میں دو ڈھائی ہزار کا زیور بچا دیا۔ اب یہ لاکھوں کی جان بچا دی۔ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اور جھمکی نے یہ دیکھ کر کہ یہ موقعہ دوڑ کر چھوٹی بی کے پیر پکڑ لئے اور رونا شروع کر دیا۔ پھر جو لوگوں نے چھوٹی بی کے لتے لئے ہیں تو سوائے ہاں کے چارہ نہ تھا۔ ایک سے ایک سفارشی موجود تھا۔

چھوٹی بی نے اپنے دوسرے خط میں اس کی اطلاع دی۔ میں مارے خوشی کے اچھل پڑا۔ لیکن واہ رے میں۔ فوراً خط لکھا چھوٹی بی کو۔ خوب طعن آمیز پیرا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم پھر جھگڑے کھڑے کروگی۔ لہذا بہتر ہے کہ سوچ سمجھ کر کام کرو۔" اس خط کا کوئی جواب نہ آیا اور جواب کے بدلے تار آیا کہ فلاں وقت کی گاڑی سے آتے ہیں (معہ جھمکی) اور دوسرے روز چھوٹی بی آ گئی۔ بڑے بچے کو ماموں نے روک لیا۔ جھمکی کے دونوں ہاتھوں میں پٹیاں بندھی ہوئی تھیں انگوٹھوں انگلیوں کی چٹکیوں سے اپنا کام چلاتی تھی۔ جھمکی نے آتے ہی ہاتھ جوڑ کر مجھے ڈنڈوت کی اور قدم لئے۔ میں نہیں بیان کر سکتا کہ میرے قلب کی اس وقت کیا حالت ہوئی۔ چاہیے تو یہی تھا کہ اسے گلے لگا لوں۔ لیکن میں نے صرف اس کی پشت پر ایک آہستہ سے تھپکی دی۔ اس احتیاط سے کہ ہاتھ کی ہتھیلی

صرف کپڑا چھو سکے۔ اور اس بات کو چھوٹی بی دیکھ بھی سکے۔ اور صرف دو لفظوں میں چھوٹی بی کو تاکید کی کہ مناسب انعام دیں۔

درا اصل خدا بڑا کارساز ہے۔ کس طرح اس نے جمی کو ملایا ہے۔ اس کے دوسرے روز کا ذکر ہے کہ میرے تبادلہ کے احکام آ گئے۔ معہ ترقی اور تبادلہ بھی کیسا۔ دوسرے صوبہ میں جا پھینکا اور اس حکم کی تعمیل میں معہ گھر بار کے اسی ہفتہ ہم لد گئے۔

نیا دور

نئی جگہ کے ساتھ ساتھ ہماری زندگی کا ایک بالکل ہی نیا اور نرالا دور شروع ہوا۔ قصّہ کی طوالت کے خوف سے ہر غیر ضروری تفصیل کو چھوڑتا ہوں۔ چھوٹی بی چمکی کو لے تو آئی تھی۔ مگر یہ نہ سمجھ میں آتا تھا کہ کن شرائط پر۔ نہ مجھ کو یہ علم کہ میری پوزیشن اب سرکاری طور پر کیا رہے گی۔ اور یہ ایسا نازک مسئلہ تھا کہ اس بارے میں گفتگو کرتے مجھے ڈر لگتا تھا۔ اور تاوقتیکہ طے نہ ہو جائے میں چمکی کی طرف سے حد سے زیادہ لاپرواہ رہنا چاہتا تھا۔ اور رہا۔ ایسا کہ چھوٹی بی کو خیال تک نہ ہونے پائے کہ ذرہ بھر بھی مجھے اس کی پرواہ ہے۔ دراصل یہ ایک فریب تھا جو میں چھوٹی بی کے ساتھ چل رہا تھا ورنہ یہ واقعہ ہے کہ اگر چھوٹی بی کو ان جذبات کے عشر عشیر کا بھی اندازہ ہو جاتا جو چمکی کے لئے میرے دل میں موجزن تھے تو قیامت آجاتی۔ مگر چھوٹی بی چمکی کو نہ رکھتی۔ مجھ کو انتہا سے زیادہ بےچینی تھی کہ یہ امر جلد طے ہو جائے۔

اس نئے دور کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ چند باتیں عرض کر دی جائیں اب ہمارے پاس باہر ایک نوکر تھا۔ مکان نہایت ہی کشادہ اور بڑا تھا۔ نیچے کا حصّہ مردانہ مکان تھا اور نیچے بھی صحن تھا مگر اصل عمارت اوپر تھی۔ نہایت ہی

کشادہ صحن تھا جو دور تک چلا گیا تھا۔ اور اس کے نیچے مہاجنوں کے گودام تھے دو طرفہ منزلہ کمرے تھے۔ نل تھا۔ بجلی تھی۔ چھوٹی بی نے آتے ہی چمکی کے لئے جو کمرہ منتخب کیا تو کھٹکا۔ عورت بھی کس قدر ہوشیار شئے ہے۔ ایک ایسا کمرہ جو باورچی خانہ کے قریب بھی رہے۔ ہم سب سے علیحدہ رہے۔ اور پھر نظر میں رہے اور تماشہ دیکھئے۔ ادھر مجھ سے تو ایک لفظ بھی نہ کہا لیکن چمکی سے اپنے گھر سے چلتے وقت ہی پختہ وعدہ لے لیا تھا کہ اب کوئی شرارت نہ کروں گی اور اگر ذرا بھی کوئی "بات" دیکھی گئی تو فوراً نکال دی جاؤں گی۔ چنانچہ چمکی نے وعدہ کر لیا تھا کہ میری طرف اب آئندہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گی۔ واضح رہے کہ ان وعدوں کا مجھ کو مطلق علم نہیں۔ میں کسی اور ہی بھول میں تھا۔ یہ کہ آخر بڑی بیوی بھی تو تھیں۔ رہ گئی عمر تو چھوٹی بی کئی نوکرانیاں نئی عمر کی بھی رکھ چکی تھی۔ کبھی بھول کر بھی میں نے ان کی طرف نہ دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ میں اس کا ہوں۔ ہاں ایک بات اور بھول گیا کہ چھوٹی بی نے چمکی سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ جو نکاح اجمیر میں کیا تھا۔ شکست ہو چکا۔ اور تم اب اس بھول میں کہیں نہ رہنا۔ بس یہ سمجھو کہ معمولی نوکرنی ہو اور جب تمہارا جی چاہے گھر چلی جانا اور شادی کر لینا۔

میں دیکھ رہا تھا کہ چمکی بھی ضرورت سے زیادہ محتاط ہے اور سخت متفکر تھی کہ معاملات کسی نوبت پر پہنچیں اور الجھن جائے کہ عجیب معاملہ پیش آیا۔

میرے دفتر کے ایک بابو نے مجھ سے معافی مانگتے ہوئے اور اخفا کا وعدہ لیتے ہوئے ایک دن پوچھا۔ ہمارے دفتر کا ایک چپراسی تھا وہ کنوارا تھا۔ پوچھنے لگے کہ کیا آپ اس کی شادی اپنی نوکرنی سے کرنا چاہتے ہیں؟ اور کیا اس کی ترقی کی بھی فکر میں ہیں؟ میں یہ سنتے ہی حیرت میں رہ گیا۔ مجھے بہت برا لگا۔ گویا آپ سے کوئی یہ پوچھے کہ آپ اپنی بیوی کی فلاں شخص سے شادی کرنے والے ہیں! میں نے

اس سے لاعلمی ظاہر کر کے پوچھا تو پتہ چلا کہ خیر سے چھوٹی بی چمکی کی شادی کی فکر میں ہیں! یہ شاید پہلا موقع تھا کہ چھوٹی بی کی کسی حرکت پر ایک فاہ سے غصہ سا آیا. مگر فوراً جاتا رہا. اس لئے کہ خطا میری تھی۔ وہ جانتی تھی کہ میں طلاق دے چکا اور اب چمکی محض ایک نوکرانی کی حیثیت رکھتی ہے میرا دراصل یہ خیال تھا کہ جب ذکر چلے گا تو چھوٹی بی سے کہہ دوں گا۔ لیکن ہمت نہ پڑتی تھی۔ مبادا کہ وہ طلاق دینے پر اب مجبور کرے۔ اور قسمیں لگا نہ رکھے۔ دن بھر دفتر میں پیچ و تاب کھاتا رہا اور گھر جو پہنچا تو اور بھی الجھن بڑھی۔ اور ضروری معلوم ہوا کہ جس طرح بھی بن پڑے چمکی سے ملوں۔ لیکن چھوٹی بی نے وہ انتظام کر رکھا تھا کہ سوائے دو باتیں کرنے کے موقع ہی نہ ملے۔ میں دیکھتا کہ اب وہ موقع بھی نہیں ملتا کہ آتے جاتے کبھی زینہ میں یا راستہ میں مل جائے۔ کیونکہ وہ خود ضرورت سے زیادہ احتیاط برت رہی تھی اور جان بوجھ کر مجھ سے بچتی تھی۔ لیکن اتفاق کی بات کہ دوسرے ہی دن ایک عجیب بہانہ ہاتھ آیا۔

یہاں آ کر دو چار حضرات سے ملاقات ہوئی تھی اور دوست احباب بھی پیدا ہو گئے تھے۔ دو چار دفعہ چھوٹی بی کی ادھر اُدھر آمد و رفت ہوئی تھی۔ اُن میں سے ایک صاحب کے بھائی کی شادی کی تقریب تھی۔ انھوں نے تو محض دعوت کا بلاوا دیا تھا مگر میں نے یہ عذر تراشا کہ رات گئے کھانا کھا کر واپسی میں سخت قباحت ہو گی لہٰذا یا تو اوّل وقت کھانا کھا کر واپس چلی آئیں۔ ورنہ سرے سے واپس ہی نہ آئیں اور صبح تک وہیں رہیں گی۔ ظاہر ہے کہ وہ اس سے زیادہ اور کیا چاہتے تھے۔ چنانچہ میں نے چھوٹی بی سے آ کر کہا اور یہ جڑ دیا کہ رات گئے تک خوب گانا بجانا ہوگا۔ درحالیکہ مجھے پتہ بھی نہیں کہ گانا ہوگا بھی یا نہیں۔ چھوٹی بی سے دراصل اُن کے یہاں کی عورتوں سے بے تکلفی نہ تھی اور وہ اس

طوالت پر کبھی راضی نہ ہوتی لیکن میں نے بہت زور دیا اور کہا کہ میں پختہ وعدہ کر آیا ہوں اور یہ بھی ظاہر کیا کہ یہاں کے دوستوں میں جو درجہ اُن کو میری نظروں میں حاصل ہے کسی کو نہیں۔ اس کے بعد میں اس کا منتظر رہا کہ کسی طرح وہ لفظ چمکی کے کان میں ڈال دوں۔

دوسرے دن کا ذکر ہے کہ میں اخبار بیٹھا پڑھ رہا تھا چمکی کے ہاتھ ویسے تو ٹھیک ہو گئے تھے اور سب کام کر لیتی تھی لیکن روٹی نہیں پکاتی تھی۔ اُس نے چھوٹی بی کو آواز دی کہ روٹی ڈال لیں چھوٹی بی اٹھی اور ضرورت سے غسلخانہ گئی اور اِدھر میں نے لپک کر چمکی سے صرف اتنا کہہ دیا کہ رات کو شادی سے چپکے سے تو گھر بھاگ آنا۔ یہ کہہ کر جھپٹ کر میں اس طرح اپنی جگہ پر آ بیٹھا کہ جیسے کچھ تھا ہی نہیں۔ لیکن قسمت تو دیکھئے کہ میں جھپٹ کر واپس آتا تھا سامنے کمرہ تھا جس میں آئینہ دار الماری رکھی تھی۔ وہاں سے غسل خانہ فاصلہ پر تھا۔ چھوٹی بی مڑی جو بھی تو اُس کی نظر الماری کے آئینہ پر پڑی اور اُس نے اس عجیب طریقہ پر مجھ کو صرف لپک کر جاتے یا آتے ہوئے دیکھ لیا کہ میں تیزی سے گزرا۔ چنانچہ جب چھوٹی بی نے مجھے مشکوک نظروں سے واپس آکر دیکھا تو مجھے ٹس پہ تک نہ گزرا۔ اب یہ وہ نہ معلوم کر سکی کہ میں اس طرح جھپٹ کر کہاں گیا تھا۔ مجھ کچھ نہ پوچھا

لڑائی

دفتر سے واپس جو آیا تو چھوٹی بی جا چکی تھی۔ میں نے چاربی کر نوکر کو ہدایت کی کہ تم بھی وہاں آجانا اور رات کو بھی وہیں رہنا۔ یہ کہہ کر میں خود بھی وہیں پہنچا۔ اب میری آنکھیں چمکی کو ڈھونڈھتی تھیں۔ بیبیوں نوکرنیاں بچوں کو لئے پھر رہی تھیں مگر چمکی ندارد۔ بہت جلد میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ چھوٹی بی کی حرکت ہے۔ وہ جانتی ہے کہ میں آگیا ہوں گا۔ لہٰذا چمکی کو باہر نہیں آنے دیا۔ اور یہی واقعہ تھا۔

نوکر بھی آگیا اور بعد طعام نوکر سے میں نے کنجی لی اور صاحب خانہ سے کہہ دیا کہ نوکر بھی یہیں رہے گا مبادا کہ ضرورت پڑے اور نوکر سے کہہ دیا کہ تم کہیں چل نہ دینا اور کوئی کام ضرورت پڑے تو حاضر ملنا۔ مجھ کمبخت کو کیا معلوم کہ کیا ضرورت پڑے گی۔

اب چھوٹی بی کی ہوشیاری یا چالاکی دیکھئے کہ وہ کھانا کھاتے ہی بہت جلد سو گئی۔ سو کیا گئی یوں کہئے کہ بن کر پڑ گئی۔ ستم یہ ستم کہ بچوں کو خود ہی سنبھالا۔ گویا دیدہ و دانستہ چمکی کو آزاد کر دیا۔ یہ دیکھنے کو کہ یہ اب کیا کرتی ہے۔

گھر میں خوب گانا بجانا ہو رہا تھا اور مہمانوں کی گھما گھمی تھی۔ چھوٹی بی کو علیحدہ بالاخانہ پر جگہ دی گئی تھی۔ جب آدھی رات آئی ادھر ادھر بیبیوں

مہمان اور ملازم سو گئے تو مجھکی وہاں سے سرک آئی۔

میں تو گویا گھڑیاں ہی گن رہا تھا۔ نیند بھلا کسے۔ منتظر ہی تھا۔ وہ آ پہنچی۔

"چھکی" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

"عالیجاہ" اُس کے منہ سے نکلا اور چشم زدن میں وہ میری آغوش محبت میں تھی۔ میں نے بار بار اُس کو سینے سے لگایا۔ "عالیجاہ" اُس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ؎

بیا بیا کہ ترا تنگ در کنار کشم

میں نے اس محبت کی پڑیا کو اور بھی اچھی طرح سینے سے لگا لیا۔ اس کے بالوں میں دیر تک انگلیوں سے کنگھا کرتا رہا۔ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیر تک دیکھتا رہا۔ اُس کو محبت سے آہستہ آہستہ تھپکتا رہا۔

تمام باتیں معلوم ہوئیں۔ یہ کہ چھوٹی بی نے اس سے کیسی کیسی تاکید کر دی ہے کس طرح ڈرا دھمکا کر رکھا ہے۔ اور کس طرح اب وہ اس کی شادی طے کر رہی ہیں۔ اور کس طرح وہ بھی مجھ سے ملنے کو تڑپ رہی تھی کہ حالِ دل تو کہے۔ دیر تک "پالٹکس" پر گفتگو رہی۔ سوال یہ تھا کہ پھر کیا کرنا چاہئے۔ جس کو اس نے اس طرح حل کیا۔

"میرے عالیجاہ! میں اب تمھارے بغیر نہیں جی سکتی......"

میں نے اس کا منہ بند کر دیا۔ سینے سے لگا کر اُس کو اطمینان دلایا اور پھر ہم دونوں کچھ دیر تک عشق و محبت اور ہجر و فرقت کے مصائب کی داستان سناتے رہے اور اس ملاقات پر خدا کا شکر ادا کیا۔

لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے تو سچ کہ فلک کج رفتار کو منظور نہیں کہ دو دل یکجا ہو کر محبت کی باتیں کر سکیں۔ بمشکل ڈیڑھ دو گھنٹے گذرے ہوں گے ہم دونوں

میاں بیوی ایک دوسرے کی محبت میں سرشار آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے
کہ طوفان پھٹ پڑا۔

چھوٹی بی کو شبہ صبح ہی ہو گیا تھا۔ جب اُس نے مجھے آئینہ میں دیکھ لیا
چمکی کے جانے کے بعد وہ اٹھی۔ دیکھا تو چمکی غائب۔ اس کی تو وہ منتظر ہی تھی۔ نوکر
سے فوراً تانگہ منگا بلائے بے درماں کی طرح گھر آئی۔ دوسرے زینہ کا دروازہ جو
عموماً بند رہتا تھا۔ پہلے سے اسی لئے چپکے سے کھول گئی تھی۔ نوکر کو بچہ سپرد کر کے
چپکے سے چڑھ آئی۔ اور آہستہ آہستہ دبے پاؤں وہاں پہنچی جہاں ہم دونوں
تھے۔ چپکے سے جھانکا۔ ظاہر ہے کہ نظارہ قابل دید ہو گا۔ سوال نہ جواب، لیکر
جوتہ جو جھپٹی ہے تو قبل اس کے کہ ہم یہ سمجھیں کہ کیا آفت ہے چمکی کی چاند پر ایک
دو تین!

بس کچھ نہ پوچھئے ادھر میں بوکھلا کر الگ گرا اور چمکی الگ، اور وہ پلی
جب ہے جوتہ لے کر تو جب تک میرے حواس بجا ہوں اس نے چمکی کا حلیہ بگاڑ دیا۔
وہ بلا کی طاقت۔ وہ زور۔ وہ شور اور وہ چیخ کہ الاماں۔ گویا آتش فشاں تھا
کہ پھٹ پڑا۔ مجھ سے اب ضبط نہ ہو سکا۔ ایک دم سے میں نے چھوٹی بی کا ہاتھ
پکڑ لیا۔ لیکن انتہائی نرمی کے ساتھ اور کہا: "بس۔ بس۔ بس......"

اس نے بگڑ کر کہا: "خبردار جو تم پڑے بیچ میں"

میں نے کہا: "خطا میری ہے" یہ کہتے ہوئے میں درمیان میں آگیا۔ میں
نے کہا: "خطا میری ہے!" وہ گرج کر بولی: "غلطی خود میری ہے.... مگر میں اس
مردار کو جیتا نہ چھوڑوں گی......"

میں نے روکا تو وہ زور آزمائی کر کے چیخی اور دیوانوں کی طرح چیخ کر بولی۔
"ہٹ جاؤ میں تمہارا منہ نہیں دیکھنا چاہتی۔ میں اسے مار ڈالوں گی......"

میں نے سینہ سپر ہو کر کہا: "ہرگز نہیں تم اس کو مار ڈالو گی۔ تم کو شرم نہیں آتی۔ کیا اس نے تمھاری جان نہیں بچائی؟ کیا اس نے تمہارے بچے کی جان نہیں بچائی چھوڑو اسے......"

میں نے جمکی کو چھڑایا۔ اس نے پھر کڑک کر کہا: "چولھے میں گئی بس اور بھاڑ میں گئے بچے...... میں اسے نہیں......؟"

یہ کہہ کر وہ پھر جمکی کی طرف جھپٹی۔ میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا: "تم اس کو ہرگز نہیں مار سکتیں۔ پہلے بات سن لو۔ بات سنو۔ ہوش میں آؤ...."

"ہوش میں آؤں" تیوری پر بل ڈال کر چھوٹی بی نے کہا: "تم کو شرم نہیں آتی۔ اپنی بدچلنی پر شرم نہیں آتی......"

"میں ہرگز بدچلن نہیں ہوں" میں نے زور دیکر کہا: "لعنت ہے بدچلنی پر۔"

"یا میرے اللہ! یہ بدچلنی نہیں ہے۔ ایک غیر عورت۔ کون ہے یہ تمہاری جو تم......"

میں نے کہا: "میری منکوحہ بیوی۔ ہوتی کون"

"مگر طلاق دینے کے بعد!"

"کیسی طلاق" میں نے کہا: "کیسی طلاق۔ کیا فضول بکتی ہو۔ یہ میری منکوحہ ہے۔"

"اور تم نے طلاق نہیں دی؟"

"میں نے طلاق دی تھی۔ بیشک ایک طلاق دی تھی اور پوچھو اس سے میں دن کے اندر اندر رجوع کر لی۔"

"تو وہ طلاق نہیں ہوئی۔ اور وہ کاغذ؟"

میں نے کہا "دیکھ لو کاغذ کو۔ میں نے ایک طلاق رجعی یعنی رجوع ہونے والی

لکھی تھی تو رجوع کرلی"۔

"میں نہیں جانتی رجوع بجوع۔ تم اس کو طلاق دے چکے ہو۔ اور یہ عورت اب کوئی نہیں۔ نکالو حرامزادی کو"۔

میں نے کہا۔ "رجوع نہیں جانتی ہو تو کسی کو کاغذ دکھا کر پوچھ لو۔ وہ تو کچی طلاق تھی۔ منسوخ ہو جانے والی۔ اور میں طلاق واپس لے چکا"۔

"اور مجھے بتایا بھی نہیں"۔

"نہیں"۔

"تو یہ کہو مجھے دھوکہ دیا"۔

چپ رہا میں۔

"بولتے کیوں نہیں۔ مجھے دھوکہ دیا تم نے۔ اور وہ روپیہ دو سو؟"

"وہ روپے جمع ہیں بنک میں"

"تو مجھ کو دھوکا دیا تم نے۔ میں تم سے ہرگز ایسی امید نہ رکھتی تھی......"

ایک دم سے وہ سر پکڑ کر روتی ہوئی بیٹھ گئی۔ اور اس بری طرح روئی کہ میں گھبرا گیا۔ "ہائے مجھے تم نے دھوکہ دیا"۔ اس نے بلک کر کہا۔ میں نے بے حواس ہو کر ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "نیک بخت! بیشک دھوکہ دیا۔ خطاوار ہوں تیرا۔ گنہگار ہوں۔ جو سزا چاہے اور جس طرح چاہے دے لے۔ خدا کے لئے معاف کردے"۔

اس نے آنسو پونچھے اور کہا۔ "میں بیچاری کیا معاف کرونگی۔ اگر سچے ہو تو وعدہ کرو کہ اب دھوکا نہ دوگے"۔

میں نے کہا۔ "تیری محبت کی قسم اب کبھی دھوکا نہ دوں گا"۔

وہ بولی۔ "ٹھیک۔ بہت بہتر۔ اچھا تو نکالو اس مردی کو۔ ابھی ابھی طلاق دو......دو۔ کیوں چپ کیوں ہو؟...... بولو دو طلاق۔ چلو میں نے غم کھایا۔

درگذری۔ ابھی ابھی اس کو تین طلاقیں دو ...... بولو۔ بولتے کیوں نہیں؟"

"طلاق!" میں نے دبی زبان سے کہا۔

"ہاں طلاق۔ اس کو طلاق دو؟"

"یہ نہیں ہو سکتا" میں نے دبی زبان سے کہا۔

"نہیں ہو سکتا" دہاڑ کر وہ بولی "ارے! کیا کہہ رہے ہو۔ یہ میں کیا سن رہی ہوں"

میں نے کہا "آخر بڑی بیوی بھی تو تھیں۔ اس نے کتنے احسان کئے ہیں؟ بیشک نہیں ہو سکتا ہے"

تیز ہو کر اس نے کہا "اس کی یہ جوتی برابر بھی نہیں"

میں نے کہا "ذرا انصاف سے کام لو۔ آخر تمہارا کیا ہرج ہے۔ کیا مضائقہ ہے۔ جو پڑی رہے۔ اس نے کیسی خدمت کی ہے! کیسے کام کئے ہیں۔ کیسی وفادار ہے! کیسی فرمانبردار اور محنتی ہے"

چھوٹی بی نے کہا "میں سب احسان اس کے اتار دوں گی مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر طلاق تو دیدو"

"طلاق دیکر میں رکھنا نہیں چاہتا۔ میں ایسی خدمت گذار عورت پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ طلاق دینا تو ظلم ہوگا"

وہ بولی "اور میرے اوپر ...... میرے اوپر ظلم کرو گے؟"

"ارے خدا سے ڈر۔ نیک بخت خدا سے ڈر۔ میں اور تیرے اوپر ظلم! آج تک میں نے تیرے خلاف کوئی بات نہیں کی۔ جان اور ایمان سب تیرا۔ میں تیرا۔ میں تیرے اوپر ظلم؟ آخر تیرا کیا ہرج ہے"

چھوٹی بی نے کہا "میرا ہرج ہو یا نہ ہو۔ میں اس کو ہرگز نہیں چاہتی۔ صاف

بات ہے اس کو یا تو نکالو یا میں نکلی جاتی ہوں۔"

"تو مجھے نکال دے۔"

"مگر اس کو نہیں نکالو گے؟"

"مجھ سے یہ ظلم نہ ہو گا۔"

"بہتر ہے۔ بہت اچھا۔ مت نکالو۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے پلنگ پر جا کر منہ لپیٹ کر جو پڑی ہے اور رونا شروع کیا ہے تو خدا کی پناہ۔ دنیا کی خوشامدیں کر ڈالیں۔ کیسی کیسی منت و سماجت کی کیسے کیسے منایا اور سمجھایا۔ مگر وہاں تو بس ایک شرط تھی۔ "یا اسے نکالو یا مجھے" صبح تک یہی قصہ ہوتا رہا۔ بچہ باہر نوکر کے پاس سو رہا تھا۔ صبح اس نے بھی اُٹھ کر فضیحت جو سُنی میں ماں کا ہاتھ بٹانا شروع کیا۔

میں دفتر گیا تو چھوٹی بی نے چمکی کو گھر سے نکالنا چاہا۔ وہ نہ نکلی اور گاندھی جی والی کارروائی اُس نے شروع کر دی۔ چپ ہو کر رہ گئی۔ ہر اچھا جواب خاموشی اور پھر جو چھوٹی بی نے اسے مارنا شروع کیا ہے تو تھپڑ، لات، جوتی، لکڑی، سب ہی نسخے دیکھ لئے کسی سے فائدہ نہ ہوا۔ جب تک میں دفتر سے آؤں۔ چمکی کو ادھ موا کر کے رکھ دیا۔ مگر شاباش ہے اس بندی کو ایک حرف زبان سے نہ نکالا۔ چولہے ٹھنڈے پڑے تھے۔ کسی نے کچھ نہ کھایا تھا۔ نوکر نے بازار سے لا کر بچے کو کچھ کھلا دیا تھا۔ میں بھی بھوکا ہی گیا تھا اور بھوکا ہی آیا۔ وہی نقشہ اب بھی پیش تھا۔ میں نے بازار سے کھانا منگایا۔ مگر کسی نے نہ کھایا۔ نہ چمکی نے اور نہ چھوٹی بی نے۔

جوں کا توں وہی نقشہ جما تھا۔ چھوٹی بی نے روتے روتے اپنا برا حال کر لیا تھا اور اب غشی کا سا عالم تھا۔ رات آئی تو چمکی نے جا کر چھوٹی بی کے سر پر

پکڑ لیے اور کہا کہ "بیوی جی میری خطا معاف کرو ..... اور مجھ سے کہا کہ "عالیجاہ میں ایک لونڈی ہوں۔ میرے لئے کیوں اپنا گھر بگاڑتے ہو۔ مجھ کو نکال دو جی چاہے تو" اور یہ کہہ کر اس کی آواز گھٹ گئی اور رونے لگی۔

چھوٹی بی جھٹ سا دنٹی ہو کر اٹھ بیٹھی اور اس کی منتظر کہ میں کچھ کہوں اور اُدھر چمکی کی حماقت پر سچ پوچھئے تو سخت گھبرایا۔ اب مجھے نکالنے میں کیا اعتراض تھا؟ مگر نہیں خود سوچئے کہ میں کس طرح بے انصافی کرتا۔ لہٰذا میں نے باوجود چمکی کی رضامندی کے بے انصافی کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھ سے طلاق نہیں دی جائے گی۔ اور مجھ سے بے انصافی نہیں ہوگی۔

چھوٹی بی نے چمکی سے جو کہا کہ خود نکل جا۔ کالا منہ کر یہاں سے۔ تو وہ بولی کہ "میں کہیں کی بھاگی آنکھ لگائی تھوڑی ہوں۔ جس طرح مجھے عزت و آبرو سے لائے ہیں۔ ویسے ہی رخصت کر دیں۔ میں نہیں چاہتی کہ عالیجاہ کا گھر بگڑے"۔ اور یہ کہہ کر اس نے بھی رونا شروع کیا۔ اور میں نے چمکی کو نکالنے سے قطعی انکار کر دیا۔ یہ کش مکش انتہا سے زیادہ طویل اور ناگوار تھی جس کا خاتمہ یوں ہوا کہ گھر بار چھوڑ دوسرے ہی روز صبح کی گاڑی سے چھوٹی بی نوکر کو ساتھ لیکر گھر چل دی۔

شکست یا ملاپ

چھوٹی بی کے جانے سے معلوم ہوا کہ جیسے پھوڑے کا مواد نکل گیا۔ چھمی کی طبیعت البتہ سخت مکدر رہتی اور وہ رو بھی رہی تھی۔ اور کہتی تھی کہ اپنا گھر نہ بگاڑو مگر یہ بھی کہتی تھی کہ میں بغیر عالیجاہ کے نہیں جی سکتی۔" ادھر یہاں یہ حال کہ دل کو ایک اطمینان سا حاصل تھا۔ یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ خوب ہوا اب دیکھو اونٹ کس کل بیٹھے۔ چھوٹی بی کے بھائی کو میں نے تار دیدیا تھا کہ بہن تمہاری آتی ہے۔

چھوٹی بی نے گھر پہنچکر سارا معاملہ رشتہ داروں عزیز داروں میں پیش کیا میاں جس نے بھی سنا کہ سارا نقد زیور اور مال اور خود کو ایک عورت پر چھوڑ کر چلی آئی تو گھبرا گیا۔ یہ تو ہرگز نہ کرنا چاہیے تھا۔ جس نے سنا یہی کہا۔ کہ ارے دوڑ جلدی۔ چنانچہ چھوٹی بی اپنے بھائی کو لے کر واپس آئی

مجھے جب تار ملا ہے تو میں نے چھمی کو سمجھا دیا کہ چڑیل تو ہرگز رضامند نہ ہونا اور جو تو پھسلی تو مارے جوتیوں کے تیرا فشاد نکال دوں گا۔ میں نے اس کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ اگر تجھ سے نکلنے کو کہے تو یہ کہیو کہ میری زندگی خراب ہوئی۔ ذات برادری سے گئی اور کہیں کی نہ رہی۔ اور اب بے قصور نہیں نکل سکتی۔ کوئی خطا ہو تو نکالو۔ یوں نہیں نکلوں گی خواہ مار ڈالو۔

دوسرے روز مولانا "قال اللہ" معہ اپنی بہن کے آ گئے۔ میں نے ان کا نام قال اللہ یوں لکھا تھا کہ یہ ضرورت سے زیادہ مولوی واقع ہوئے تھے اور بہت سی قرآنی آیات یاد کرلی تھیں۔ جن کا وہ ہاں گفتگو میں استعمال کرتے تو کہتے قال اللہ تعالیٰ۔ اپنی بہن کی طرح صاحب جمال تھے۔ جس میں داڑھی کے ذریعہ اضافہ فرماتے تھے۔ میں نے ان کے آنے سے قبل ہی سوچ لیا تھا کہ یہ مولوی نما آدمی مولویانہ پیچ سے ہارے گا۔

میں بھی ان کو بھائی جان کہتا تھا اور میں نے ان کے سامنے معاملہ من و عن جوں کا توں پیش کر دیا۔ اور اپنی بحث کو ختم رسید کیا کہ میں نہ تو اس غریب کو طلاق دینا چاہتا تھا اور نہ دے سکتا ہوں اور نہ نکال سکتا ہوں۔ آدمی ہوں۔ ناشکر اور موذی نہیں ہوں۔ گو بیوی ہے مگر لونڈی کی طرح رہی اور رہے گی۔ ہاں اگر تمہاری خدمت نہ کرے۔ گستاخی کرے یا اور کوئی حرکت کرے تو مارو اور نکال دو۔

اب غور فرمائیے کہ جھکی کے آنے کی ذمہ داری کس پر تھی؟ میرا رویہ تو شروع ہی سے ان کی بہن کے ساتھ انتہا سے زیادہ "نیازمندانہ" اور "خادمانہ" تھا جس کو اول تو وہ خود جانتے تھے اور میں نے پھر بھی چھوٹی بی سے اقبال کرا دیا اور پھر یہ جھکی والا سہرا میں نے خود تو لکھا نہیں تھا "زرد امثال امر" تھا۔ صرف مقطع کی "سخن گسترانہ" بات تھی۔ ان تمام باتوں کے علاوہ جھکی کی جو کچھ بھی خدمات تھیں ان کا علم خود قال اللہ کو کافی تھا۔ اور پھر وہ بھائی ہو کر باپ مرد پھر مرد ہے۔ میں نے بحث ختم کی تو نتیجہ میرے سامنے تھا۔ پھر آدمی سمجھدار تھے۔ خوب جانتے تھے کہ میں ان کا دست نگر نہیں۔ چنانچہ چھوٹی بی نے اپنا معاملہ جو پیش کیا تو وہاں تھا ہی کیا سوائے اس کے کہ "خود کردہ را علاجے نیست"۔

بہت سوچ سمجھ کر "قال اللہ" نے مجھ سے سوال کیا۔

"کیا آپ اس علیحدہ گھر میں نہیں رکھ سکتے ؟"

"ارے بھائی جان !" کہہ کر چھوٹی بی اچھل پڑی "یہ کیا ؟ میرے گھر میں اسے بیگم بنا کر رکھا جائے گا ؟"

"تو پھر" قال اللہ نے بہن سے کہا۔

"تو پھر کیا۔ اسے نکلوا دیجئے مردی کو !"

قال اللہ بولے "تو تو احمق ہے۔ تم نے یہ وبال مول ہی کیوں لیا تھا ؟ ....."

یہ سن کر چھوٹی بی نے رونا شروع کیا اور میں نے قال اللہ سے کہنا شروع کیا "جو فیصلہ دیں آپ مجھے منظور ہے۔ علیحدہ کہیں علیحدہ لے جا کر رکھوں"۔ وہ بار بار یہی کہنے لگے کہ "خود کردہ را علاجے نیست" اور فیصلہ چھوڑ چھاڑ بھائی جان نے بہن کو راستے دی کہ "اب جس طرح بنے گذارو۔ کیونکہ قال اللہ تعالیٰ .... خدا کا حکم ہے کہ بیویوں میں برابر کا سلوک رکھو اور انصاف کرو"۔

"یہ مردی میری برابری کریگی .. میری برابری ؟ ..... یا میرے اللہ میرا کوئی نہیں ہے۔ خود میرا بھائی ......"

بھائی جان نے کہا "قال اللہ تعالیٰ .... حکم خداوندی ہے کہ ......"

"یا میرے اللہ" چھوٹی بی نے سر پیٹ کر کہا "یہ حکم خداوندی بھی میرے خلاف ہو گیا۔ یا میرے اللہ میرا کوئی نہیں رہا"۔

یہ کہہ کر اس نے رونا شروع کیا۔ رہ گیا فیصلہ وہ میرے حق میں صادر ہو چکا تھا۔ میں خود اٹھ کر علیحدہ ہو گیا۔ اور انھوں نے بہن کو سمجھایا۔ اسی دن وہ چلے گئے۔ اور اس کے بعد مجھ سے اُن سے کوئی مفصل یا معاملہ کی بات نہ ہوئی میں نے روکنا چاہا تو نہ رکے۔

بھائی جان کو اسٹیشن پہنچانے گیا تو انھوں نے مجھ سے چند نہایت ہی ضروری باتیں کیں۔ ان باتوں کا گھما کر یہ مطلب تھا کہ وہ اپنی بہن کو سمجھا آئے ہیں کہ مرد مرد ہے اور اب کوئی چارہ نہیں۔ نیز یہ کہ اگر میں محض بغرض دلجوئی چھوٹی بی کی خوشامد کروں گا اور معافی مانگ لونگا اور جیکی سے بھی معافی منگواؤں گا۔ تو چھوٹی بی راضی ہو جائے گی۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں یہاں ایک چھوڑ دس معافیاں مانگنے کو تیار۔ ساتھ ہی انھوں نے بہن کی سفارش بھی کی۔ اور مجھے بہت سی کام کی نصیحتیں بھی کیں۔ چنانچہ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ میں جا کر چھوٹی بی کو راضی کر لوں گا اور میں نے پھر زور دے کر کہا کہ اگر میری خطا ہو یا کوئی دوسری صورت ہو تو بتائیں۔ کچھ کہنا چاہا مگر چپ ہو گئے۔ اور یہی کہا تمہاری کوئی خطا نہیں ہے۔

چلتے چلتے پھر مجھ سے تاکید کی اور مجھے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ وہ اپنی بہن کو کس طرح سمجھا بجھا کر مصالحانہ مشورہ دے آئے ہیں اور جتا آئے ہیں کہ اس کی ذمہ داری خود اس پر ہے اور اب کوئی دوسرا چارہ نہیں۔ صبر و شکر اور تدبر سے کام لو۔ میں نے ایک پختہ وعدہ کر کے بھائی جان کو رخصت کیا اور گھر آیا۔

گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جیکی جھپٹی اوپر جا رہی ہے۔ میں نے پکارا "اری او چڑیل ......" وہ رک گئی۔ میں نے چھوٹی بی کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ بیٹھی رو رہی ہے۔ میں نے کہا کہ "اور تو نے ان کو راضی نہیں کیا؟ دیکھ اگر ذرا بھی تو نے ان کے کام یا خدمت میں کمی کی یا اگر کوئی بھی دوسری حرکت کی تو ......"

"عالی جاہ" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا "وہ راضی نہیں ہوتیں۔"

میں نے سختی سے کہا "بد نہیں کیسے ہوتیں۔ تجھے راضی کرنا پڑے گا۔ اگر راضی

بغیر کسی قسم کی ریاکاری یا تصنع کے برملا سچ کہتا ہوں کہ میں نے چھوٹی بی کو مشکرت میں حسین سے حسین تر پایا۔ اور اپنی محبت کے جوش و خروش کو دوگنا میری محبت کا دریا تھا کہ امنڈ پڑا۔ اٹھتے بیٹھتے اس سے اپنی خطا کی معافی مانگتا۔ مارے محبت کے دیوانہ وار اس کو کلیجہ سے لگاتا۔ اس کی محبت کا خیال کرکے دل بھر آتا۔ خود بے چین ہو جاتا اور اس کو بیقرار کر دیتا اپنی لازوال محبت کا ثبوت اپنے جذبات اور افعال سے دے رہا تھا۔ محبت اور اظہار محبت میں ایک حقیقی وارفتگی تھی۔ گھنٹوں اس روحی تکلیف پر افسوس کرتا جو میں نے پہنچائی تھی۔ اور چمکی کا وجود اور اس کے حقوق کا بھی ذکر کرتا تو ایسا رنگ دے کر کہ ایک قطعی اور ناگوار ضرورت ہے اور چونکہ وہ انسان بھی ہے لہذا مجبوری ہے اور بےحقیقت کی مستحق ہے اس سے زیادہ اس کو کبھی نہ دیا جائے گا۔ میں نے وعدہ پر وعدہ کیا کہ چمکی کو اس کی حیثیت سے کبھی نہ بڑھاؤں گا وہ لونڈی ہے اور لونڈی رہیگی اس کے ساتھ مجھ کو بھلا کیا محبت ہو سکتی ہے؟ بس ایک لونڈی کی سی۔ بیوی بیوی ہے اور لونڈی لونڈی۔ قصہ مختصر میری صدق دلی، میری وارفتگی، اور میری لافانی محبت نے چھوٹی بی کو راضی کر لیا۔ چھوٹی بی نے دل سے کہا "میں جانتی ہوں کہ تم میرے ہو اور میرے ہی رہو گے خواہ ایک چھوڑ ایسی ہزاروں چھوڑ دس چمکیاں آ جائیں۔" میں نے اس جملے پر خدا کا شکر ادا کیا اور اپنی چہیتی بیوی کو گلے سے لگا لیا۔ اور پھر میں نے ہنستے ہوئے کہا "اللہ کی بندی جب سے تو روٹھی ہے جینے کا مزہ جاتا رہا ہے۔ اب ہو جائے ایک زوردار جلسہ اس خوشی میں!"

جلسہ ہوا اور زوردار ہوا۔ بخدا کیا رنگ جما ہے۔ خود سوچئے کہ اس کی بھی ایک چھوڑ دو دو موجود ہیں۔ ایک ناچ رہی اور دوسری گا رہی ہے۔ اگر چھوٹی بی کے گلنے میں ایک سوز تھا تو چمکی کے گلنے میں ایک چمک اور ناچ کے جمانے میں

نہیں ہوئیں تو بس سمجھ لے کہ تیری خیریت نہیں ہے۔"

اشرف نے اسی طرح ہاتھ جوڑے عجیب انداز سے آنکھیں جلدی جلدی جھپکا کر دیکھا اور کچھ بولنا چاہا۔ میں نے ایک ہلکا سا چانٹا مارا اور باہر آ گیا۔

میں نے چپکے سے جھانک کر کمرے میں دیکھا۔ چھوٹی بی سر پکڑے پلنگ پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں تھی۔ میں آہستہ سے داخل ہوا۔ اس نے اپنا انتہا سے زیادہ مغموم اور خوبصورت چہرہ اٹھا کر ایک مظلوم کی طرح میری طرف دیکھا ایسے کہ میرا دل ہل گیا۔ جی بھر آیا اور بات بے قابو ہو گیا۔ اور میں نے چھوٹی بی کے پیر پکڑ لیے۔ سر قدموں پر رکھ دیا۔ خدا اور رسول کے واسطے دیئے۔ مجھے بھی رونا آگیا۔ اور وہ بھی خوب روئی۔ میں نے سینے سے لگا لیا اور وہ بھی مجھے چمٹ کر خوب ہی خوب روئی۔ میں بھی ہلکان ہو گیا۔ میں نے اپنی لازوال محبت کا یقین دلایا۔ معافی مانگی اور ہر طرح اطمینان دلایا۔ چمکی نے بھی آ کر پیر پکڑ لیے اور سر قدموں پر رکھ دیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ میں تمہاری اور تمہارے بچوں کی لونڈی ہوں اور رہوں گی۔ میری خطا معاف کرو۔ اور راضی خوشی سے مجھے اپنے قدموں میں پڑا رہنے دو۔ اُدھر میں نے سفارش کی اس کی خدمات کا حوالہ دیا۔ بھائی جان کا مشورہ علیحدہ تھا۔ لہٰذا چھوٹی بی نے چمکی کی خطا بھی معاف کر دی اور اس نے مارے خوشی کے چھوٹی بی کے پیروں کو چوم لیا۔ اور پھر آنسوؤں سے تر کر دیا۔ اس طرح خدا خدا کر کے یہ زبردست مرحلہ طے ہوا۔ حق بحق دار رسید۔ کسی نے سچ کہا ہے ع:۔ بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر۔ میں نے چمکی سے کہہ دیا اور خود بھی سمجھا کہ پیش نظر ہمارے اس وقت چھوٹی بی کی شکست کی خفت دور کرنا ہے۔ رنج و غم کی کلفت دور کرنی ہے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا جائے۔ چنانچہ ہم دونوں چھوٹی بی کی دل جوئی پر جھک پڑے

حسن کی ایک دلفریب جھنکار تھی۔ اندازہ ہے ایک ناقابل بیان سرکش دلفریبی تھی، ایسی کہ اس کی تلی تلی جھنجھنوں پر چھوٹی بی کو بھی ہنسنے کی جگہ ہنسنا پڑا۔ اور تعریف کی جگہ تعریف کرنی پڑی۔ ادھر میرا خیال ظاہر ہے۔ زندگی ایک دلکش اور دلفریب خواب تھی۔ دو دلوں کی شیریں محبت کا مرکز بنا ہوا تھا

اس مصالحت کے جوش کا پہلا ریلا بھی کس قدر روح افزا اور پرسرور تھا۔ ایسا کہ میں عمر بھر وہ باتیں نہیں بھول سکتا۔ روزانہ بلا ناغہ گانا بجانا اور ناچ ہوتا درحالیکہ میرے اور دونوں کے پیش نظر صرف یہ پروگرام تھا کہ چھوٹی بی کے ساتھ جو کچھ بھی زیادتی ہوئی ہے اس کی تلافی ہو جائے اور وہ خوش ہو جائے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے میری دیوانہ وار محبت کا اظہار اگر ایک طرف تو دوسری طرف جمکی کی خدمت۔ وہ اپنی مالک کے آگے بچھی جاتی تھی۔ اس کی خدمت گذاری اور جوش خدمت اور خوشامد بیان میں نہیں آسکتی بات بات پر چھوٹی بی کے پیر چومنا۔ آنکھ کے اشارے پر دوڑنا اور کام کرنا۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ ایک جوش کے ساتھ خوشی کی رو میں ہم جا رہے تھے۔ چھوٹی بی بھی انسان تھی کیسے ہم دونوں سے خوش نہ ہوتی۔ ضرورت سے زیادہ ہم نے اسے خوش کر رکھا تھا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ کوئی شخص بھی عمر بھر نہیں دوڑ سکتا اعتدال پر آنا لازمی ہے۔ اور اعتدال پہ آتے آتے یہ حالت ہوئی کہ میں سوچنے لگا کہ مصالحت جتنی خوشگوار ہے کہیں اتنی ہی ناپائدار نہ نکلے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ نئی صورت حال کی رو سے مجھ کو حق حاصل تھا کہ جمکی سے آزادی سے ملوں۔ اس کے ساتھ آزادی کا برتاؤ کروں۔ لیکن میں نے اس طرف توجہ بھی نہیں کی۔ جمکی کی طرف سے اس قدر استغنا برتا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ ایسا کہ میرے لئے تکلیف دہ تھا انتہا سے زیادہ تکلیف دہ۔ لیکن

میں نے برداشت کیا۔ تاکہ چھوٹی بی یہ سوچے کہ مجھ کو اس کی ذرہ بھر پرواہ نہیں ہے۔ ذرا بھی اس سے لگاؤ نہیں ہے۔ اور جو کچھ بھی ہے وہ محض اس وجہ سے کہ اس نے خدمات کی ہیں اور اسے لبطور، لونڈی رکھنا ہے اور وہ بھی آخر کو انسان ہی ہے۔

لہٰذا موجودہ صورت یہ تھی کہ میں چمکی کے ساتھ بالکل نہیں اٹھتا بیٹھتا تھا میرا مستقل رہنا چھوٹی بی کے کمرے میں تھا۔ اور دلچسپی کا مرکز چھوٹی بی تھی یہ اور بات ہے کہ کبھی چھوٹی بی سو گئی یا کوئی بات چیت نہ ہوئی تو تھوڑی دیر کو چمکی کے پاس ہی بیٹھ آیا۔ گویا محض وقت گذاری کی خاطر۔ اور جناب سچ تو یہ ہے کہ بقول چھوٹی بی: "اگر تم کو چمکی سے ذرا بھی محبت ہوتی تو روکنے والا کون تھا۔ کب کا تم نے اُسے گلے کا ہار بنا لیا ہوتا۔ کیا میں جانتی نہیں ہوں۔ بچہ ہوں۔ تم شوق سے جاؤ اس کے پاس"

رفتارِ واقعات

ایک روز کا ذکر ہے کہ میں ذرا دیر سے لوٹا۔ ایک جگہ دعوت میں گیا تھا۔ واپس جو آیا تو دیکھا کہ چھوٹی بی پڑی سو رہی ہے۔ میں نے کہا "کیا سو رہی ہو؟ اور باتیں کرنا چاہیں" کہنے لگی سر میں درد ہے، باتیں کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ "سر میں سخت درد ہے" اور میں نے کہا "میری نیند غائب، گپ شپ کو جی چاہتا ہے"۔ جواب میں مسکرا کر کہنے لگی کہ تم اپنی چہیتی کے پاس جاؤ

میں کھڑا تو تھا ہی قریب آ کر میں نے گدگدایا اور خبر لینا چاہی تو ذرا رکھائی سے کہا "بخدا مجھے سونے دو میرا سر پھٹا جاتا ہے۔ ذرا جا کر دیکھو تو بیگم صاحبہ کیا کیا لائی ہیں" میں نے کہا کہ سر دبا دوں تو معلوم ہوا کہ چمکی ابھی سر اور پیر داب کر گئی ہے۔ اور لانے کے بارے میں پوچھا تو تڑ سے اور بھی ترش رو ہو کر کہا کہ "خود جا کر دیکھ لو۔ میں بعد میں کچھ کہوں گی"

میں کچھ دیر چارپائی پہ چپ بیٹھا رہا۔ پھر آہستہ سے اٹھ کر چمکی کے کمرے میں گیا۔ وہ پلنگ پر لیٹی تھی۔ فوراً آہستہ سے "عالی جاہ" کہہ کر دونوں ہاتھوں سے ڈنڈوت کرتی پھول کی طرح مسکراتی پلنگ پر سے پھاند پڑی۔ مجھ سے پلنگ پر بیٹھنے کا بڑی خاطر سے اشارہ کیا اور بیٹھتے بیٹھتے زمین پر بیٹھ کر میرے پیر دبا کر

چومنے لگی۔ میں نے محبت سے گال پر ایک تھپکی دی اور پیر کے بجائے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دبانے کو دے دیا۔ اس نے میرے ہاتھ کو گرم گرم بوسوں سے تر کر دیا۔ اور بار بار آنکھوں سے لگایا۔ میں نے کندھے پر اس کے ہاتھ رکھا اور بیٹھنے کی اجازت دی۔ وہ اٹھی اور پنجوں کے بل جا کر اس نے چھوٹی بی کے کمرے میں جھانک کر دیکھا اور آہستہ سے دروازہ بند کر دیا۔ اور پھر ایک دلربانہ انداز سے تصویر جوانی بنی مسکراتی آنکھیں مخمور اور جھپکاتی ہوئی اس طرح آگے بڑھی ہے کہ مجھے بیتاب کر دیا اس کی آہستہ روی نے غضب ڈھا دیا بیتاب ہو کر میں نے اپنے آغوش میں لینے کو اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ اور وہ جھپٹ کر میرے سینے سے آ لگی میں گرمجوشی میں اس کو گلے لگائے ہوئے اور وہ محبت سے میری گردن میں اپنا منہ دیئے ایک لرزتی ہوئی آواز میں کہتی "عالیجاہ"۔ اور میرے تن بدن میں محبت کی ایک لہر سی دوڑ جاتی۔ اور میں اس کو اور بھی محبت سے گلے لگاتا۔ دراصل آج کافی عرصہ کے بعد مجھ سے ملی تھی۔ میرے سینے پر اپنا سر رکھے ہوئے گویا میرے دل کی دھڑکن سن رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

"کیوں ری۔ یہ تو کیا چیزیں آج لائی ہے؟"

خوش ہو کر وہ اٹھ بیٹھی۔ مسکرا کر بولی "عالیجاہ کو دکھاؤں"

یہ کہہ کر وہ اٹھی اور میں نے دیکھا کہ دو ٹرنک رکھے ہیں۔ یہ نئے تھے۔ اس نے اب سامان مجھے دکھایا۔ ذرا غور تو کیجئے اس کے پاس اپنے انعام کے روپے تھے۔ کچھ روپے خود چھوٹی بی نے اس کو دیئے تھے جب چھوٹی بی چلی گئی تھی یہ جنگلی عورت اور یہ دماغ! کوئی پچاس ساٹھ روپے بگاڑ آئی۔ پلنگ کی چادریں تکیہ کے غلاف، خوشبودار صابن اور پوڈر اور تیل۔ ایک خاصہ بڑا آئینہ اور کنگھا فرسٹ کلاس فیس کریم، بالوں میں لگانے کے کئی طرح کے پن۔ صابن دانی۔ شیشے

کا گلاس، کئی عمدہ قسم کی ساڑھیاں اور ریشمی رومال اور غضب پہ غضب ایک سیاہ رنگ کا پمپ شو! یہ کہیے وہ تو غنیمت ہوا کہ اونچی ایڑی کا لیڈی شو نہیں لائی۔ غرض اور اسی قسم کی الم غلم چیزیں تھیں۔

میں نے یہ دیکھ کر کہا: "کیوں ری کیا جوتے کھانے کی صلاح ہے؟"

مجھے مسکراتا دیکھ کر کہنے لگی: "عالی جاہ تمہیں تو کہتے تھے کہ میلی میلی .... میں سمجھتی تھی کہ بیوی جی خوش ہوں گی۔"

"پھر وہ خوش ہوئیں یا ناراض ہوئیں؟"

"وہ تو بہت ہی ناراض ہوتی ہیں۔ مجھ کو کیا معلوم تھا! میں بہت پریشان ہوں جب سے۔"

"کیا کہا انھوں نے؟"

"انھوں نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن نہ تو اچھی طرح پیر دبوائے نہ بدن دبوایا اور نہ سر دلینے دیا اور میں نے اصرار کیا تو مجھے جھڑک دیا۔ چیزیں لانے کے بعد ہی سے سیدھی طرح نہیں بولیں .... اور میں بہت حیران ہوں اور سوچ میں پڑی ہوں کہ اب کیا کروں۔"

میں نے کہا: "کر یہ کہ کل ہی بیوی جی کے پیر پکڑ لے اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ .... اور دیکھ (میں نے اس کی ٹھوڑی اوپر کر کے کہا) تیرا ان چیزوں کو جی چاہتا ہے؟"

اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک لمحہ بھر دیکھا۔ جھینپ کر منہ نیچے کر لیا۔

میں نے کہا: "اری بول۔"

جواب میں سر ہلایا۔

میں نے جب کہا کہ "پہلے ساڑھی پہن ۔ دیکھوں توسہی" تو انکار کرنے لگی وجہ پوچھی تو مسکرا کر کہنے لگی کہ شرم آتی ہے ۔ میں نے کہا:"پہن ذرا دیکھوں تو" وہ انکار ہی کرتی رہی اور میں نے اس کا تماشہ بنایا ۔ نہ مانی تو بند مار دی ۔ پیٹھ پر کس کس کر گھونسے دیئے ایسے کہ منہ پھاڑ کر دوہری ہو گئی ۔ کہلوا لیا کہ شرم نہیں کروں گی اور پہنوں گی ابھی ۔ اور پھر میں نے اُسے فرسٹ کلاس پھولدار ساڑھی پہنائی ۔ جوتہ پہنایا ۔ خود اپنے ہاتھ سے اُس کے سر میں کنگھا کیا اور یہ تماشہ اس کو تماشا بنائے کھیلا گیا ۔ اور پھر اُس سے کہا کہ چل کر سامنے آؤ ۔ اور دونوں ہاتھ جوڑ کر نہیں بلکہ ایک ہاتھ سے ہمیں سلام کرو ۔ اور جو یہ سب نہ کیا جائے تو پٹو ۔ میں نے کہا:" چڑیل تیری یہ ہی سزا ہے تو لائی کیسے ۔"

اور یہ سب اس کو سچ مچ گھونسے کھا کھا کر کرنا پڑا ۔ اور یہ ڈرامہ یوں ختم ہوا کہ جب اس نے سلام کیا ہے تو مارے شرم کے مر مٹی ۔ اور میں نے دونوں ہاتھ بیتاب ہو کر پھیلا دیئے اور وہ میرے سینے سے آ لگی ۔ اور میں نے اُسے محبت سے سینے سے بھی چمٹایا اور اس کو مارا بھی خوب ۔ واللہ کیا بھونڈا اور بھدا مذاق تھا ۔ ایک زور سے دیا جو گھونسہ تو رہ گئی منہ پھاڑ کر مسکراتی ہوئی ۔"عالیجاہ عالیجاہ" کہتی ہوئی ۔

میں نے ان چیزوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا ۔ یہ لوازمات تو چھوٹی بی کے لئے ہی موزوں ہیں ۔ اور یہ چیزیں تو اس کی اصل دلکشی کو کھو دیں گی ۔ مگر میں نے کچھ بھی نہیں کہا ۔ یہ سوچ کر کہ آخر کوئی عمر ہے ۔ اپنے حسابوں ویسے لندن میں ہے اور پھر اپنے پیسے سے لائی ہے ۔ ان چیزوں سے قطع نظر کرتے ہوئے صاف بچھونے کی چادر اور تکیہ کا غلاف یہ چیزیں تو قطعی قابل اعتراض نہیں کم از کم میں اس وقت جس بچھونے پر بیٹھا تھا وہ میرے خیال سے قطعی میلا

اور ناقابل استعمال تھا۔ صابن سے ہاتھ ویسے ہی وہ اکثر دھوتی تھی۔ آڑی ترچھی مانگ نکالنا خود چھوٹی بی کی بدولت پہلے ہی سیکھ چکی تھی۔ منہ پر پوڈر لگانا خود چھوٹی بی نے سکھایا تھا لہذا میں چپ رہا۔ لیکن پلنگ کی چادر میں نے فوراً بچھونے پر بچھالی اور تکیہ کا غلاف چڑھالیا۔ لیکن وہ خود گھبرا گیا اور باہر گیا ننگے پیر رہنے کی عادی تھی لہذا میں نے کہا "اور یہ تیرے کھُر جو ہمیشہ میلے رہتے ہیں"

ہنس کر کہنے لگی کہ "جوتا پہننا بھول جاتی ہوں"

اور دراصل اس کو جوتا پہن کر چلنے میں نہ صرف تکلیف سی ہوتی تھی بلکہ تکلف بھی۔ اور پمپ شو کو تو میں نے یہ تجویز کیا کہ "یہ تو مٹنے کے واسطے رکھ لے، بجائے فیشن ایبل رہے گا"

قصہ مختصر میں نے سوائے اس کے اور کچھ نہ کہا کہ چھوٹی بی کو راضی کر لے اور پلنگ کی چادر اور تکیہ کے غلاف کو تو پسند کیا۔ کہنے لگی کہ "سرکار یہ تمہارے لئے لائی ہوں میں اس پر تھوڑی بیٹھوں گی"

دوسرے دن صبح میں دیر سے اٹھا۔ ناشتہ کے وقت چھوٹی بی نے جمکی کی شکایت کی۔ اور کنایتہً میری توجہ اس وعدہ کی طرف مبذول کرائی کہ جمکی کو حیثیت سے نہ بڑھنے دوں گا۔ اور اس کو اس کی جگہ پر رکھوں گا۔ اور کیا یہ قابل اعتراض بات نہیں کہ وہ یہ تمام چیزیں بغیر میری اجازت کے لے آئی کم از کم اس کو پوچھنا تو چاہیئے تھا۔ میں نے چھوٹی بی کی رائے سے اتفاق کیا اور آواز دی "جمکی"

"حکم ...... حکم" کہتی وہ آئی۔ چھوٹی بی کے تیور دیکھ کر وہ سمجھ گئی۔ میں نے اس سے کہا "دیکھ ہمیں تیرے پیسے سے کچھ بحث نہیں۔ تیرا جی چاہے جیسے خرچ کر

......." یہ اس لئے کہا کہ چھوٹی بی کو جتا دوں کہ اس کا پیسہ ہے اور نہیں کیا مطلب لیکن یہ کیا حرکت کی کہ کسی سے ذکر تک نہ کیا۔ پوچھا تک نہیں"

واللہ اعلم سچ مچ یا پھر مصنوعی طور پر۔ جیسے سخت گھبراہٹ میں کرنی۔ کچھ سہم کر ڈر کے مارے لرز گئی: "ارے باپ اجی ...." اپنی بولی میں کہہ کر سیدھی وہ چھوٹی بی کے پیروں پر گری۔ اور کہا: "اب نہیں لاؤں گی۔"

چھوٹی بی نے جل کر کہا: "مجھے یہ چوچلے نہیں اچھے لگتے ہیں۔ آئیں وہاں سے باپ جی اور ماں جی .... چھوڑو میرا پیر"

یہ کہہ کر پیر چھڑا لیا اور تیوری بدل کر اس طرح پلنگ پر بیٹھی کہ اخلاق کی ایسی کمی اور اس کے بھدے مظاہرے کو کم از کم چھوٹی بی میں ہونا میں پسند نہ کرتا تھا۔ اور اس وقت میں نے ایک خاص بات دیکھی۔ ایک دم سے چھوٹی بی کا چہرہ ایسا معلوم ہوا کہ ان خیالات اور جذبات کا آئینہ ہے جو چھکی کی طرف سے اس کے دل میں باوجود اس کی ہر دم خدمت اور خوشامد کے موجود ہیں۔ کیا میں دھوکہ میں تھا؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ باوجود مصالحت کے صرف شروع زمانہ مصالحت کا تو محبت اور جذبات کی تیزو تند رو میں گذر گیا لیکن اس کے بعد میں نے چھوٹی بی میں جوانی کی وہ تڑپ نہیں دیکھی۔ وہ ہنستی بھی تھی۔ خوش فعلیاں بھی کرتی تھی اور گاتی بجاتی بھی تھی۔ مگر کس بے توجہی سے۔ اور کس بے دلی سے۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ خوش تو ہے ہنس بھی رہی ہے۔ لیکن کسی چیز کی کمی سی ہے۔ وہ کیا کمی ہے! واللہ اعلم۔ پہلے تو میں اس کو شکست اور ہزیمت کا خمار سمجھا۔ اور خیال کیا کہ خوشامد اور محبت سے یہ بات جاتی رہے گی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جاتی بھی رہی مگر ایک رمق سی اس کی برابر باقی تھی۔ گویا ایک انتہا سے زیادہ خفیف اور ہلکی سی حرارت یا تبخیر۔ اور یہ

دیکھتا تھا کہ کچھ بجھی بجھی سی رہتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ کہ طبیعت حد سے سوا حساس ہوگئی تھی۔ رقیق القلب ہوگئی تھی۔ ایسی کہ جب جی چاہے محبت سے گلے لگا کر رلا دو۔ ایک دم سے اس وقت ساری حقیقت گویا آئینہ ہوگئی۔ ایسی کہ میں کہیں سے کہیں پہونچ گیا۔ یہ مصالحت نا پائدار سی معلوم دی۔ سوال یہ تھا کہ میں کیوں نہ جھڑک کے کہوں کہ آج ہی نوکر کے ہاتھ یہ سب چیزیں واپس کر شاید یہ کہ مستقل علاج ثابت ہو۔ توقع تو بھلا کیا تھی۔ لیکن اس وقت یہ سوجھی۔ میں نے ڈانٹ کر جھکی سے کہا: "ابھی ابھی یہ سب چیزیں واپس کرو۔ کس دکان سے لائی تھی۔ لیجا کر ابھی بتاؤ۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا: "بہت اچھا"! مگر چونکہ کام کر رہی تھی لہذا یہ طے ہوا کہ بعد میں دوپہر کو واپس کر دیگی میں نے دیکھا کہ اس کا اثر چھوٹی بی پر غیر معمولی طور پر فرحت بخش ہوا۔

دفتر سے شام کو جو آیا تو معلوم ہوا کہ چیزیں واپس نہیں ہوئیں۔ صرف چند چیزیں ایسی ہیں جو دکان دار نے رکھ لی ہیں مگر اس شرط پر کہ اس قیمت کی دوسری چیزیں لے لینا۔ تکیے کے غلافوں کی واپسی کا تو سوال ہی نہ تھا۔ کیونکہ خیر سے بنو بی "کسی ایسے دکاندار سے لائی تھیں جو چٹائی بچھائے سڑک کے کنارے بیٹھا تھا۔ ادھر ایک ساڑھی اور ایک پلنگ کی چادر بھی واپس نہیں ہوئی کیوں؟ چھوٹی بی نے کہا کہ "خیر سے بنو بی تے استعمال کر لی ہیں ...."

ورنہ ابکہ میں نے ہی چادر بچھائی تھی اور ساڑھی بھی میں نے پہنائی تھی۔ بجائے اس کے میں کچھ کہتا۔ بیں نے کہا: "کیا چادریں بھی واپس کرائی تھیں۔ چادریں کیا ہر جاتی ہے"؟

کہنے کو تو میں کہہ گیا مگر چھوٹی بی سے آنکھ نہ ملا سکا۔ واپس شدہ چیزیں کیا ہوں؟ یہ ایک سوال تھا۔ بحق سرکار ضبط کر کے دام دیئے جائیں۔ اس تجویز کو

اس حقارت سے چھوٹی بی نے ٹھکرایا ہے کہ بیان سے باہر "کیا مجھے بازار سے نہیں مل سکتیں۔ میں تو چھونے کی بھی نہیں"

خود چمکی نے شاید اٹھا کر وہیں کی وہیں پلنگ پر سے برآمدہ کی الماری کے تختے پر رکھ دیں۔ میں نے چمکی کو اور بھی لتاڑا۔ آئندہ کے لئے سخت تاکید کی۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر بار بار معافی مانگی۔ تو چھوٹی بی نے کہا "یہ معافی کا تماشہ بھی اسے خوب ہاتھ آتا ہے"

چھوٹی بی آج کی کارروائی سے مجھ سے خوش تھی۔ اور اس وجہ سے میں بھی خوش تھا۔ لیکن چھوٹی بی کے رویہ سے تنگ ظرفی کا اظہار ہو رہا تھا۔ جو مجھے کچھ پسند نہ آیا۔ تنگ ظرفی نہیں تو اور کیا ہے؟ گھر کا صابن اور صابن دانی استعمال کرنے تو کچھ نہیں، اور اس کی علیحدہ ہو گئی تو غضب ہو گیا۔ حالانکہ اس کی صابن دانی میں سنلائٹ صابن زائد رہتا تھا۔ اس کو چھوٹی بی نہیں چھوتی تھی۔ ایک روز میں نے کھانا کھانے کے لیے ہاتھ دھوئے تو بولی "ارے یہ چمکی کا ہے" تو میں نے کہا تھا "کیا ہوا؟" یہ صابن چھوٹی بی اپنے یا بچہ کے پیر دھونے کے لئے یا اور اسی قسم کے کاموں کے لئے علیحدہ ہی رکھے ہوئے تھی اور دو چار دفعہ جب چمکی کا منہ دھلوا کر سوانگ بھرے گئے تھے اور پوڈر اور روج منہ پر اس کے مل کر پری بنایا گیا تھا تب بھی صابن کام میں آیا تھا۔ اور ویسے بھی اس کو صابن سے منہ دھونے کی کھلم کھلا اجازت تھی۔ خود آپ نے اپنے بالوں کے کلپ اُس کو دیئے تھے۔ اور جوتہ پہننے کی مار پھٹکار تو ہمیشہ ہی سے رہی۔ کیونکہ فرش پر "بیچے" بنانے میں ماہر تھی۔ اور میلی رہنے پر بھی لتاڑی جاتی تھی۔ کہیں جا رہی تھی تو اُجلی ساڑی پہن کر زمین پر پھسکڑا مار کر بیٹھنے کی پاداش میں مجھے یاد ہے ایک مرتبہ جوتہ گھما کر مارنے ہی کی نیت

سے بھیجا گیا تھا جو نشانہ پر صحیح نہیں بیٹھا تو خوب لتاڑی گئی تھی۔ آڑی ترچھی مانگ نکالنے کی کب سے اُسے اجازت تھی۔ بلکہ اس میں تکلف تھا تو صرف مجھ سے چھوٹی بی سے اس بارے میں بے تکلفی نہیں تھی بلکہ چھوٹی بی اس بات پر مسکرا کر "چڑیل" کا خطاب دے چکی تھی۔ ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یہ باتیں تنگ ظرفی ہی معلوم دیں۔

اُسی روز کا ذکر ہے کہ چھوٹی بی (مجھ سے خوش تو کفیں ہی اور) میں چمکی پر خفا تھا، چمکی کی رہائش کے بارے میں ذرا گھما کر سوال اٹھایا۔ پہلے چمکی سامنے والے کمروں کے برابر ایک کوٹھری تھی اُس میں رہتی تھی۔ جب چھوٹی بی لڑ کر چلی گئی تو میں نے اُسے اپنی طرف بلا لیا تھا۔ اور وہ اپنا مختصر سا سامان اس کمرے میں لے آئی تھی جس میں وہ اب رہتی تھی۔ یہ کمرہ خالی ہی پڑا تھا۔ کیونکہ ہمارے پاس چھوٹے بڑے ملا کر پانچ کمرے علاوہ غسل خانے کے تھے۔ چھوٹی بی کی مرضی تھی کہ چمکی کو یہاں سے نکالا جائے اور پھر اسی کوٹھری میں بھیج دیا جائے۔ اور اس تجویز کو اس نے اس طرح اٹھایا کہ پہلے ایک نوکرانی کی تجویز کی۔ یہ تجویز ٹھیک تھی کیونکہ اس وقت چمکی کے ہاتھ ٹھیک نہ تھے۔ مگر کاموں کی فہرست ایک طرف، اس بات پر بھی زور دیا گیا تھا کہ اس طرف بالکل سناٹا ہے کوئی بھی نہیں رہا چمکی تو ادھر چلی آئی ہے۔ اس "سناٹے" پر میں نے غور بھی نہ کیا۔ نوکرانی بھی غالباً رکھنا مقصود نہ ہوگی۔ اور محض "سناٹے" کا ذکر مقصود ہوگا کیونکہ آج پھر اس "سناٹے" کا ذکر کر کے چمکی کی ناقابل معافی جرات کا سبب ہی اسی کو بتایا گیا کہ وہ اس طرف رہ کر برابری کا دعویٰ کرنے لگے گی۔ جس کے آثار بے ڈھب تھے۔ کیونکہ کھلم کھلا کمرے کی الماریوں میں اخباروں کے کاغذ بڑے قرینے سے بچھائے تھے۔ اور اندیشہ تھا کہ اگر یہی رفتار رہی تو عجب

نہیں کہ پھٹی پرانی ساڑھی کے ٹکڑے ہماری طرح وہ بھی رنگ کر بچھا لیتے۔ اور پھر سوجھے گی پردہ ڈلانے کی۔ پھر ایک فرش اور چاندنی اور میز اور کرسی وغیرہ وغیرہ اور پھر.......!

میں نے ان باتوں کو غور سے سنا۔ کیسے محبت اور نرمی سے چھوٹی بی نے اس سوال کو اٹھایا تھا۔ کس محبت سے وہ میرے سر کے بالوں سے کھیلتی جاتی تھی۔ کبھی میری قمیص کے بٹن سے اور کبھی میرے دانتوں کو اپنی نازک انگلی سے مارتی۔ اور کیسے مزے سے باتیں کر رہی تھی۔

ذرا غور سوچئے کہ وہ کوٹھری تنگ و تاریک تو نہیں تھی۔ مگر اس معنی کر کے وہ ضرور تاریک تھی کہ سوائے باورچی خانہ اور گودام کے اس طرف بقیہ سب کمروں کی بجلی بگڑی ہوئی تھی۔ اور پھر وہ سمجھتی تھی کہ میں اس کے کمرے میں جاتا تھا۔ اٹھتا بیٹھتا بھی تھا۔ کیا وجہ جو اس میں ایک میز اور کرسی نہ ہو اور کیا وجہ جو شیشے کا گلاس اور پانی نہ ہو۔ اور کیا وجہ جو اس میں فرش نہ ہو اور کیا وجہ جو اس میں صفائی نہ ہو۔ کوئی وجہ نہیں لیکن واللہ! ذرا غور کیجئے گا کہ اس کے یہ معنی بھی تو ہیں کہ لونڈی اب لونڈی کی طرح نہیں رہے گی باوجود میرے وعدے کے! اور واقعہ یہ ہے کہ اس سے پہلے میرے لئے چپکے سے اسی تاریک کوٹھری میں ملنا شاید باعث صد خوشی ہوتا اور میں برابر اسی حالت میں خوش تھا۔

میں نے چاہا کہ اس معاملے سے گریز کر دوں اور ہوں ہاں کر کے ٹال دوں لیکن چھوٹی بی نہ مانی۔ کس محبت سے وہ مجھ سے باتیں کر رہی تھی! کیسے اعتماد کے ساتھ! اور کس طرح وہ میری محبت کے بھروسے پہ مجھ سے کہہ رہی تھی! میں کیا کہتا۔ کس طرح ٹالتا۔ سوائے اس کے یہی کہتے بن پڑا کہ "تم بھی عجب آدمی ہو۔

بھلا مجھ سے ان باتوں کو پوچھتی ہو۔ میں کیا جانوں گھر کے بکھیڑے۔ گھر کی مالکہ تم ہو کہ میں!"

اور یہ سن کر گو نہ محبت کے ساتھ اس نے میرے گلے میں اپنی باہیں حمائل کر دیں اور انتہائی دلبری سے سر اپنا میرے سینے پر رکھ دیا۔ اور اسی طرح میرے بالوں سے کھیلتی رہی۔ اس کی باتوں میں کیسی دلفریب نرمی تھی۔ اور وہ کس قدر خوش تھی! اس کا اندازہ اس سے لگا لیجئے کہ مجھے قطعی یقین ہو گیا کہ یہ کل ہی چمکی کو کمرے سے نکال باہر کرے گی! بغیر یہ سمجھے ہوئے کہ مجھ کو اس سے کس قدر تکلیف ہوگی۔ میں کیسے اس کی تاریک کوٹھری میں جاؤں گا اور وہاں بیٹھوں گا یہ خیال آتے ہی میں خاموش ہو گیا۔ طبیعت کچھ اس خیال ہی سے کند سی ہو گئی کہ دیکھو تو سہی کہ ذرہ بھر اس کو خیال نہیں۔ بار بار جی میں آیا کہ کچھ کہوں لیکن نہ کہہ سکا۔

دوسرے دن دفتر سے آیا ہوں تو کمرہ خالی تھا۔ چمکی باورچی خانہ میں کام کر رہی تھی۔ اس قدر طبیعت مکدر ہوئی ہے اور اس قدر یہ بات ناگوار معلوم دی کہ عرض نہیں کر سکتا لیکن قطعی میں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ چھوٹی بی پھول کی طرح کھلی ہوئی تھی۔ اور غالباً اس فکر میں ہوگی کہ میری طبیعت کا اندازہ لگائے لہٰذا میں اور بھی محتاط ہو گیا۔ اور اسی سلسلہ میں ایک ذرا سی بات پر چمکی کو لتاڑ کر پھینک دیا۔ خوب ہی ڈانٹا۔

نہ پوچھئے کہ چھوٹی بی کا کیا حال تھا۔ کھانا کھانے کے بعد جو ہم دونوں بیٹھے ہیں۔ تو چھوٹی بی کی حالت قابل دید تھی۔ محبت کے مارے گلے کا ہار ہوئی جاتی تھی۔ بس نہ تھا کہ مجھے اپنے دل میں رکھ لے۔ اور چونکہ میں حد درجہ احتیاط چاہتا تھا لہٰذا میں نے بھی اس کی محبت کا جواب محبت ہی دیا۔ اور اس طرح

خوش فعلیوں اور خوش غپیوں پر اتر آیا کہ فرمائش کر کے گانا سنا اور رات کے بارہ بجے سویا۔ چمکی کو پوچھا تک نہیں۔ حالانکہ میں دیکھتا تھا کہ وہ بار بار کسی بہانے سے اٹھتی تھی اور دیکھتی تھی کہ کس مزے سے گانا بجانا ہو رہا ہے اور ہنسی مذاق ہو رہا ہے۔

نتیجہ اس کا ظاہر ہے۔ طبیعت اور بھی کند ہو گئی۔ غم و غصہ کے سبب چمکی کی طرف میں نے رخ بھی نہ کیا۔ میں ہرگز اس میلی کوٹھری میں چمکی سے باتیں کرنے نہیں جا سکتا تھا۔

چمکی نے جو یہ حال دیکھا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ "الٹا پہیہ" کیسے گھوم رہا ہے۔ اس کو کیا خبر کہ معاملہ کیا ہے۔ وہ یہی سمجھی کہ اس پر تنزلہ جو گرا تو میری خفگی کی وجہ ہے۔ لہٰذا بیچاری حد درجہ مغموم اور سہمی ہوئی تھی۔ مجھے اس کی حالت پر رحم آیا۔ دفتر سے آیا تو پلنگ پر بیٹھ گیا۔ آواز دی "چمکی" تو ایک دم سے "عالی جاہ" کہہ کر جیسے اچھل پڑی۔ کھڑی ہو گئی بولی "حکم"

میں نے کہا "ذرا پیر تو دھو دے"

چھوٹی بی ایک دم سے بیکل ہو گئی۔ بولی "کیوں۔ لاؤ میں دھو دوں"

میں نے کہا "دیوانی ہوئی ہو؟"

اتنے میں چمکی لوٹا اور تولیہ اور تسلا لئے لپکی آئی اور لا کر رکھا۔ چھوٹی بی ایک دم سے اٹھ آئی اور ہاتھ سے لوٹا اور تولیہ لیتی ہوئی بولی "تو جا کام دیکھ" اور چمکی جیسے مرجھا کر رہ گئی۔ مگر میں نہیں مانا۔ ڈانٹ کر میں نے کہا "تم دیوانی ہوئی ہو۔ میں تم سے پیر دھلواؤں گا! .... چلو ...... ہوش کی دوا کرو ...... چل ری ادھر آ" (چمکی سے کہا) اور ہنس کر چھوٹی بی سے کہا "تجھ سے منہ دھلواؤں گا ...... چھوڑو لوٹا"

میں نے اس طرح کہا کہ وہ بھی ہنسنے لگی اور لوٹا چمکی کو دے دیا۔

چمکی نے میرے پیر دھونا شروع کئے۔ میرے دونوں پیر چینی کے تسلے میں رکھ کر پانی ڈالا اور صابن خوب اچھی طرح ہاتھوں میں مل کر پیروں کی اچھی طرح ٹخنوں کے اوپر سے لے کر انگلیوں تک اچھی طرح سونت سونت کے مالش کرنی شروع کی۔ سامنے ہی چھوٹی بی بیٹھی تھی۔ اُس سے باتیں بھی کرتا جاتا تھا اور ایک ہاتھ میں پیالی چائے بھی پی رہا تھا۔ اور چمکی کو ہدایت بھی کرتا جاتا تھا۔

جیسے ہی اس نے میرے پیر کی انگلی پکڑی ہے۔ میں نے پیر کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان اُس کی انگلی زور سے پکڑ کر شرارتاً دبالی۔ بخدا دل کو بھی دل سے کیسی راہ ہوتی ہے۔ میں عرض نہیں کر سکتا۔ ایک دم سے مارے خوشی کے چمکی کا چہرہ تمتما اٹھا۔ اور بے اختیار ہو کر اس نے کس طرح میرے پیر کو انتہائی محبت سے دونوں ہاتھوں سے دبایا ہے اور کس طرح اپنی فنا کر دینے والی نظروں سے میری طرف دیکھا ہے کہ یہ معلوم دے کہ جیسے اس کی خوبصورت اور چمکدار آنکھوں سے محبت آمیز خوشی کے شرارے نکل رہے ہیں۔ میں نے اس کی انگلی دھڑ کے مروڑ دی اور لطف یہ کہ ایک دم سے چھوٹی بی سے باتوں کا سلسلہ چھوڑ کر کہا: "ارے، انگلی توڑے دیتی ہے!"

بس کچھ نہ پوچھئے کہ اس "الٹا چور کو توال ....." والے جملے نے چمکی کو کیا نہیں بخش دیا۔ مجھے اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہی کہ نیک بخت نہ تو مجھے میں نے مکرے سے نکالا ہے اور نہ تجھ سے خفا ہوں۔

اس کے بعد پیروں کو دھونے کا مشغلہ اس کے لئے کتنا دلچسپ ہو گیا کہ عرض نہیں کر سکتا۔ اور کتنی سہولیت اور کتنی طوالت اس میں اس نے دی ہے

کر رہا نہ گیا چھوٹی بی سے اور بولی "اب پیر نہ ہوئے آفت ہو گئی۔ ڈھل رہے ہیں پڑے"۔ اور واقعہ بھی ہے کہ دیر لگ گئی تھی۔ چمکی نے جلدی سے ویسلین اور پانی ملا کر پیروں پر تیزی سے ملا اور ہاتھ سے خوب صاف کر کے تولیہ سے رگڑ رگڑ کر پیروں کو خشک کیا۔ گھائیوں میں تولیہ ڈال ڈال کر جلدی جلدی اور خوب رگڑ رگڑ کر اپنا کام ختم کیا۔

میرا کمرہ

اسی روز کا ذکر ہے۔ کھانا کھانے کے بعد ہم دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ چھوٹی بی لیٹی ہوئی تھی قطعی میرا دل باتوں میں نہ لگتا تھا۔ اٹھ کر ذرا ٹہلا اور سیدھا جمکی کی طرف گیا۔ ایک دفعہ مڑ کر چھوٹی بی نے دیکھا۔ جمکی اپنی تاریک کوٹھری کے سامنے چارپائی پر لیٹی تھی۔ مجھ کو دیکھ کر بڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ میں اس کے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ وہ پاس ہی زمین پر بیٹھ گئی۔ آہستہ سے لرزتی ہوئی آواز میں اس نے کہا "عالیجاہ" اور محبت سے میری پنڈلیاں دبانے لگی۔ میں نے اس کے میلے بچھونے اور تاریک برآمدہ اور کوٹھری کو دیکھا۔ طبیعت میں چڑچڑاہٹ اور جھلاہٹ سی آ گئی میں نے زیادہ باتیں نہیں کیں۔ صرف یہ کہا کہ مفصل باتیں کروں گا۔ دو ڈھائی گھنٹے بعد چپکے سے میرے کمرے میں آ جانا۔ وہاں باتیں کروں گا۔

فوراً واپس آیا۔ چھوٹی بی نے انتہائی نرمی سے کہا "کیوں؟ کیا ہوا؟" میں نے کہا "کچھ بھی نہیں......" اور چپ ہو گیا۔ بہت جلد ہم سو گئے (میں نہیں!)

کوئی بارہ ساڑھے بارہ بجے ہوں گے۔ چوری سے نہیں لیکن آہستہ سے میں اٹھا۔ چھوٹی بی سو رہی تھی۔ اُٹھ کر میں اپنے کمرے میں گیا۔ بجلی جلائی۔ جمکی زمین پر لیٹی ہوئی تھی۔ فوراً اٹھ بیٹھی! "میلی کمبخت......" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میں اپنے ساتھ تجھے نہیں بٹھاؤں گا۔ یہ تو زمین پر لیٹنا نہیں چھوڑے گی۔"

میں آ کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔ اور عین اس موقعہ پر چھوٹی بی نے دروازہ سے جھانکا۔ میں ایسا بن گیا کہ دیکھا ہی نہیں۔ جھانک کر وہ چلی گئی۔ اور اب ہم دونوں نے باتیں شروع کیں۔ میں پلنگ پر دراز ہو گیا اور اپنا ہاتھ چمکی کے ہاتھ میں دیدیا۔ وہ انگلیاں چٹخاتی جاتی تھی اور میری انگلیوں میں آہستہ آہستہ کاٹتی بھی جاتی تھی۔ اور طمانچے بھی کھاتی جاتی تھی۔ اور اپنی آنکھوں سے مسکراتی بھی جاتی تھی۔ میں نے شروع سے لے کر آخر تک سارا قصہ سنایا۔ اس کو اجلا اور صاف رہنے کی ہدایت کی۔ مثلاً اپنا آئینہ۔ کنگھا اور تیل اور اسی قسم کے لوازمات استعمال کرنے کی اجازت دیدی۔ اور یہ کہا کہ اپنی اور دوسری چیزیں لا کر میرے ٹرنک اور صندوق میں رکھ دے اور جی چاہے جس طرح اپنی مرضی کے مطابق اس کمرے کو درست کر لے۔ یہ میرا کمرہ ہے اور چھوٹی بی کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ اور جب جی چاہے اس کمرے میں سو رہا کر۔ اور جو چھوٹی بی پوچھے تو کہہ دینا کہ میں نے کہا تھا۔ اور یہ بھی میں نے کہہ دیا کہ جو جی چاہے بازار سے لے آنا اور اسی کمرے کی الماری یا ٹرنک میں تالا ڈال کر رکھ دینا۔ تجھے کوئی ممانعت نہیں ہے۔ یہ سب باتیں سن کر جلدی جلدی وہ اپنی آنکھیں میرے ہاتھ سے ملنے لگی اور اپنے چہرے سے لگا کر ہاتھ کو زور سے دبایا "عالیجاہ" اس نے ایک لمبی سانس لے کر آہستہ سے کہا اور پھر کہا: عالیجاہ! بیوی جی تو خفا نہیں ہوں گی؟"

میں نے کہا "خفا تو ہونگی۔ لیکن مجبوری ہے۔ تو لڑنا مت چپکی رہنا۔ اب یہ کمرہ تیرا ہے۔ لیکن اپنا میلا بستر اور میلی کچیلی چیزیں تو وہیں رکھنا"

اور یہ کہہ کر میں نے کہا "تو بیچ میلی کچیلی رہتی ہے۔ زمین پر لیٹتی ہے میں تجھ

کو اپنے پاس نہیں بٹھا سکتا۔ میں تجھے گلے نہیں لگاؤں گا۔ ہرگز نہیں لگاؤں گا۔"

مسکراتی اٹھلاتی آنکھیں چمکاتی اور اپنے نرم اور خوبصورت چہرے پر لرزشیں پیدا کرتی میرے گلے سے آکر لگ گئی۔ اور میں یہی کہتا رہا کہ تجھ کو گلے سے نہیں لگاؤں گا تو زمین پر بیٹھتی ہے۔

دوسرے ہی دن چھوٹی بی کا منہ پھولا ہوا تھا۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ یہ خوبصورت اور ضدی بیوی آخر کیا چاہتی ہے۔ بالخصوص جبکہ طے ہو چکا کہ چمکی کو طلاق نہیں دی جائے گی۔

چمکی جب گھر کی صفائی اور کمروں کو جھاڑنے پونچھنے میں لگی تو "میرے کمرہ" میں اس نے خوب دیکھ بھال کی۔ یہ کمرہ میرا تھا۔ ہمیشہ سے میرا کمرہ تھا۔ اس میں دفتر کے کاغذات اور لکھنے پڑھنے کی میز تھی۔ ایک اور میز تھی جس پر میرا چھوٹا آئینہ کنگھا اور حجامت کا سامان رہتا تھا۔ یعنی اس قسم کے سامان کے لئے تھی۔ یہ اور بات ہے کہ یہ سامان چھوٹی بی کے کمرے میں اور چھوٹی بی کی آئینہ کی میز پر رہا کرتا تھا اور چھوٹی بی بار بار کہا کرتی تھی کہ "اپنی میز پر جا کر کیوں نہیں رکھتے۔" اسی طرح اس کے کمرے میں جب چارپائی پر کاغذ پھیلا کر بیٹھتا تو کہتی کہ "میں نے کہیں نہیں سنا کہ اپنے لکھنے کی میز چھوڑ کر چارپائی پر دفتر جمایا جائے" اسی کمرے میں میرے کپڑوں کی کھونٹی اور جوتے موزے اور کپڑوں کے ٹرنک تھے۔ اس کمرے میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے چھوٹی بی کو دلچسپی ہو۔ ایک پلنگ تھا جس پر عموماً پلنگ پوش پڑا رہتا تھا اور بہت کم ایسا ہوتا کہ چھٹی کے دن دن کو یا کبھی کبھار رات کو میں یہاں سوتا ہوں میں ہمیشہ چھوٹی بی کے کمرے میں اٹھتا بیٹھتا اور وہیں رہتا بھی تھا۔ یہ کمرہ چھوٹی بی کے کمرے سے ملا ہوا تھا۔

آہستہ آہستہ چمکی نے اپنی چیزیں لا لا کر اس میں رکھنا شروع کیں۔ میں نے اشارہ کر دیا تھا اور کھانا کھا کر میرا پلنگ پر جا لیٹنا کافی اشارہ تھا کہ چمکی جھٹ سے آجاتی۔ اور میرے تلوے سہلانا یا پیر دبانا شروع کر دیتی۔ چھوٹی بی جھانکتی تو میں جھوٹ سے آنکھیں بند کر لیتا۔

چھوٹی بی نے دیکھا کہ چمکی اس میں جمی جاتی ہے۔ ہیکل سی ہو گئیں۔ تیز ہو کر ایک روز چھوٹی بی پہنچیں۔ چمکی پلنگ پر لیٹی تھی۔ "اری تو یہاں کیسے لیٹی ہے؟" جل کر چھوٹی بی نے کہا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور کہہ دیا کہ "عالی جاہ نے بلایا تھا" حالانکہ میں خود چھوٹی بی کے کمرے میں لیٹا ہوں۔ بیچاری کسمسا کر رہ گئیں۔

کہنے لگی زور سے چیخ کر "بلایا تھا تو کیا یہ بھی کہہ دیا تھا کہ یہیں کی ہو رہو۔ جاؤ اپنے کمرے میں"

اور وہ اٹھ کر چلی۔ مڑ کر جو دیکھا تو میں نے ہاتھ ہلا کر پھر اشارہ کر دیا۔ یعنی یہ کہ پھر آجانا۔ اور وہ پھر آ گئی۔ میں چھوٹی بی کے کمرے ہی میں رہا لیکن چمکی میرے ہی کمرے میں اور میرے ہی پلنگ پر میری ہی اجازت سے باوجود بظاہر نکال دینے کے سوئی۔ اور پھر چھوٹی بی نے جو صبح اس کی گردن لی تو پھر اس نے وہی کہہ دیا کہ "عالی جاہ نے بلایا تھا" اور میں نے اس کی تصدیق کر کے گردن چھڑا لی۔ مگر کنکھیوں سے میں نے دیکھا کہ چھوٹی بی کا چہرہ تمتما اٹھا۔ اور وہ بل کھا کر رہ گئیں۔ چمکی ہٹ گئی تو مجھ سے چھوٹی بی نے پوچھا "تو کیا تم نے یہ کہہ دیا کہ روز اسی کمرے میں سویا کرے؟"

میں نے کہا "نہیں تو"

"پھر یہ کیسے یہاں سوئی باوجود منع کرنے کے"

میں نے ذرا رک کر انتہا سے زیادہ سنجیدگی سے کہا "اب تم مجھ سے کیوں

شرمندہ کرتی ہو۔"

اور یہ کہہ کر میں نے بس ایک نظر چھوٹی بی کو دیکھا۔ صدمہ کی وجہ سے ایک دم سے اس کا چہرہ سفید ہو کر رہ گیا۔ اور ہیں؟ میں چڑچڑا ہو رہا تھا۔ جیسے کوئی خواہ مخواہ چھیڑتا ہو۔

نتیجہ اس کا اور کیا ہو سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ اور آہستہ آہستہ چھپکی نے کمرے پر ایک دس ہی روز میں ایسا قبضہ جما لیا کہ قسم کھانے کو۔ البتہ اس کا میلا بستر ضرور تاریک کوٹھری میں تھا۔ ورنہ اس کی چیزیں میری الماری میں وہ الماری جس میں دفتر کے کاغذات اور مسلیں وغیرہ رہتی تھیں یا میرے ٹرنک میں اور یہ قبضہ اس تلخ کشمکش کا آغاز تھا جس نے کچھ دن بعد ہی . . . . .

قبضۂ مخالفانہ

چھوٹی بی نے اس "قبضۂ مخالفانہ" کے خلاف سخت احتجاج بلند کیا۔ شکایتوں کا طومار باندھ دیا۔ وہ تو خود جھکی کہ مارتی لیکن اس کے پاس مہلت ہی نہ تھی۔ "ابھی تھی کہ چھوٹی بی مارنے سے باز رہی۔ اس نے ہر بات پر نہایت ہی نرمی سے میری توجہ مبذول کرائی۔ اور میں نے بڑی تن دہی سے ہر معاملے کو سن کر اس کا "نوٹس" کیا۔ نتیجہ خاک بھی نہیں! صرف اس قسم کے اکھڑے اکھڑے جملے۔

"............ میرا تیل سب نہیں ڈالا۔ تھوڑا سا میں نے ہی دیا تھا۔

.... اب نہیں دوں گا .... میرا کنگھا کرتی ہے۔ چڑیل کہیں کی بلاؤ تو سہی .... کون سا کنگھا؟ .... یہ .... یہ کنگھا تو میں نے ابھی کو دے دیا تھا .... تمہارا کام نہیں کرتی! .... ارمی کیوں ری چپکی ...... کدھر گئی .... دیکھ تو یہ کیا کہتی ہیں ...... ہوش میں رہنا ذرا .... معلوم ہوا سب کام کرتی ہے۔ خود ہی چھوٹی بی نہ بدن دلوانی ہے نہ سر نہ پیر۔ وہ بیچاری کیا کرے۔ لیکن میں نے پھر بھی کہہ دیا "ہوش میں رہنا ذرا۔ پھر پٹوگی بری طرح" اور موقعہ پاکر اشارہ کر دیا کہ ڈرنا مت۔

ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹی بی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونا شروع ہوا۔

روزانہ نت نئی شکایتیں۔ جا بھی اور بے جا بھی۔ چمکی سے لڑنا اور اس کو حیران کرنا اور دق کرنا شروع کرنا۔ بات بات پر بگڑنا اور روز کی مجھ سے شکایتیں۔ اور پھر مصیبت یہ کہ یہ شکایتیں محبت کے واسطے دے کر۔ گلے مل مل کر۔ گلے میں باہیں ڈال ڈال کر میرا کندھا اپنے آنسوؤں سے تر کر کر کے۔ میں بھی آخر کو ایک محبت کرنے والا میاں تھا۔ خود میرا دل ہل ہل جاتا۔ وہ جو کہتی کر دیتا چمکی کو خوب ڈانتا بھی، مارنے کو بھی کہتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ کوئی بات بھی ہو بھلا۔ نتیجہ یہ کہ چھوٹی بی کی محبت بھری شکایتیں رفتہ رفتہ بے اثر اور بے سود ایسی کہ ان کا ذرہ بھر اثر نہ ہوتا تھا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ در اصل کوئی ایسی بات ہی نہ تھی جس پر وہ اس طرح چھُل کر شکایت کرے۔ ایک چند ہی روز میں چھوٹی بی ایک مجسم "آہ" اور چمکی ایک رنگین اور پُر زور "واہ" بن کر رہ گئی۔

جبر و صبر نے چھوٹی بی کو دبلا کر دیا۔ پھول سا چہرہ ہر وقت کملایا رہتا تھا۔ مگر میرا اس میں بھلا کیا قصور تھا۔ بات بے بات وہ از خود سلگ رہی تھی۔

ادھر چمکی کی چمک میں اضافہ ہو رہا تھا اور ہوتا گیا۔ ایک سرکشی اور وقار اس کی طبیعت میں نمایاں تھا۔ اس کے انداز میں دلکشی بڑھتی معلوم ہوتی تھی۔ نوجوانی اور رعنائی کا ایک ہرا بھرا اگل رستہ تھا۔ عشق و محبت نے اس کی ہستی کو بیدار کر دیا تھا۔ بس وہ حالت کہ ستار کا ایک جھنجھناتا تار ہو کہ چھیڑ دیا مضراب سے اور پڑا لرز رہا ہے۔ اب تک وہ میلی رہتی تھی لیکن اب صفائی نے اس کو نئے سر سے غضب کی چمک دیدی۔ اس کے بدن اور اعضا کی ہر جنبش مجھے دلکش معلوم ہوتی تھی۔

قصہ مختصر چھوٹی بی سے ملنا داستان درد کا دہرانا اور چمکی سے ملنا عشق و محبت کا ایک مہکتا ہوا ہار گلے میں ڈالنے کے برابر تھا۔ بس اسی پر نہیں ہوئی۔ شاید منشاء فطرت ناہے کہ ہر پرانا سبق دہرایا جائے گا! فاعتبروا......!

چھوٹی بی اور چمکی سے دن رات کی چپقلش کا نتیجہ یہ نکلا کہ چمکی نے پہلے تو گستاخانہ خاموشی سے کام لیا۔ پھر خاموشی انتہا پر تو بہت پہنچی اور یہ تمام مدارج میرے سامنے اور میرے علم میں طے ہوئے۔ بعینہ اسی طرح جیسے چھوٹی بی اور بڑی بیوی کے ساتھ ہوا وہی ڈرامہ اب میرے سامنے دہرایا جانے لگا۔ جس طرح میں پہلے اس ڈرامہ کو دیکھتا تھا۔ اسی طرح اب بھی دیکھنے والا تھا۔ جہاں تک ظلم یا بے رحمی کا سوال ہے بہ نسبت پیشتر کے میں اب زیادہ سمجھدار اور زیادہ رحم دل تھا۔ چھوٹی بی کا اس ڈرامہ میں بھی جارحانہ پارٹ تھا اور اس ڈرامہ میں بھی وہی جارحانہ پارٹ تھا جس طرح وہ بڑی بیوی سے بے بات اور بے وجہ لڑتی تھی۔ اسی طرح چمکی سے بھی وہ بے بات اور باتیں بے وجہ لڑتی تھی۔ جس طرح اس ڈرامہ کو میں خاموشی سے دیکھنا پسند کرتا تھا۔ اسی طرح یہ ڈرامہ بھی خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ فرق تھا تو صرف یہ کہ اس دفعہ میں بڑی بیوی کے حقوق کی پامالی دیکھتا رہا اور کچھ نہ کر سکا۔ اور اس دفعہ حتی الوسع چمکی کے حقوق کو پامال ہونے سے بچا رہا تھا۔ خدا گواہ ہے جو کبھی دل میں خیال بھی آیا ہو کہ چمکی چھوٹی بی کے حقوق کو ترچھی نظر سے بھی دیکھ سکے۔ پامالی تو بڑی بات ہے اُس دفعہ میں حق سے دور تھا اور اس دفعہ حق کے ساتھ تھا۔ مگر ایک اور بھی فرق تھا۔ اُس دفعہ "جوانی اور بڑھاپے" کا مقابلہ تھا۔ اور اس دفعہ "جوانی

اور جوانی" کی ہیجر تھی۔ نتیجہ یہ کہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے تجبوں نے ہنگامہ آرائی کا رنگ اختیار کر لیا۔ اور چھوٹی بی اپنے پورے نسبی غرور کے ساتھ مشتعل سورج کی طرح سامنے تھی۔ اور اس کے سامنے ایک ذرۂ بے مقدار چمکی جس کو مجھے چھوٹی بی کی چیرہ دستی سے بچانا دشوار ہو گیا۔

عبرت

جب آپس کے جھگڑوں میں گورنمنٹ دخل نہیں دیتی تو ایک فریق قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ چھوٹی بی کا پیمانۂ صبر جب لبریز ہو گیا اور نوبت چمکی کی بغاوت پر پہونچی تو چھوٹی بی جوشِ غضب سے دیوانی ہو گئی۔ اس نے چمکی کو مارنا شروع کیا۔

چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ میں دفتر سے سیدھا ایک جلسہ میں چلا گیا اور وہاں سے مغرب بعد گھر آیا۔ اب گھر میں جو آیا تو نقشہ ہی دوسرا۔ چھوٹی بی کے ہاتھ میں جوتہ اور چمکی میرے کمرے میں قلعہ بند! میں سخت گھبرایا کہ معاملہ کیا ہے۔ خیر تو ہے۔ چھوٹی بی سے جو پوچھا تو وہ جوتہ پھینک کر سر پکڑ کر رونے لگی۔ "خیر تو ہے؟ کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔ نہ ایک دم سے مشتعل ہو کر پھٹ پڑی۔ ہزاروں ہی تو چمکی کو سنا ڈالیں اور سینکڑوں ہی مجھے۔ تب جا کر مجھ کو معلوم ہوا کہ معاملہ کیا ہے۔

میرے کاغذات وغیرہ کی الماری کی کنجی بسا اوقات دفتر میں رہتی تھی میرے ٹرنک میں اول تو تالا ہی نہ لگتا تھا۔ اور جس میں لگتا تھا۔ اس کی کنجی عموماً میری جیب میں رہتی تھی۔ اور جس ٹرنک میں تالا نہیں لگتا تھا۔ اس ٹرنک کے

اندر ایک بڑا سا خانہ تھا اس کی کنجی اس خانہ میں پڑی رہتی تھی۔ اب چھوٹی بی نے جو ان سب چیزوں کو ضابطہ سے مقفل پایا تو اس گوشہ گذرا ہیں نے فوراً عذر کر دیا کہ ابھی ابھی کنجی یہیں تھی اور چمکی سے بھی تلاش کرائی کہ ڈھونڈھ چلدی۔ درحالیکہ کنجی خود چمکی کے پاس تھی۔ اس نے خوب چپکے چپکے مسکرا کر ڈھونڈی۔ وہ بھلا کہاں ملتی۔ رات کو چپکے سے چمکی نے اپنی سب چیزیں نکال کر کاغذوں والی الماری میں رکھ دیں۔ اور دوسرے دن صبح ہی کو کنجی ڈھونڈھ دی۔ آئینہ کے تختہ کے نیچے بتائی اور جھٹ میں نے تصدیق کو دی۔ کہیں وہاں رکھ کر بھول گیا تھا۔ قبل اس کے کہ چھوٹی بی کہہ سکیں کہ اس نے خود آئینہ اٹھا کر دیکھا تب نہیں تھی۔ بات اُلجھ کر رہ گئی اور میں نے کہہ دیا ممکن ہے کہ میری یاد نے غلطی کی ہو لیکن اب چھوٹی بی نے چمکی کو سخت پکڑا۔ احمق کہیں کی فوراً کہنے لگی کہ ہاں میں بھول گئی۔ فلاں جگہ جھاڑنے میں ملی۔ چھوٹی بی نے فاضحہ فضیحتہ کر ڈالا۔ مجھے بھی خوب گھسیٹا۔ مگر میں تو اس وبال سے نکل چکا تھا جس میں سوائے الماری کے سب کنجیاں تھیں۔ الماری کی کنجی جو مجھ سے پوچھی تو میں نے دفتر میں بتائی۔ حالانکہ ان کنجیوں کے ساتھ ہی وہ بھی اس گچھے میں تھی۔ اور چھوٹی بی نے خود دیکھی تھی اور میرے ہاتھ میں دیکھی تھی۔ مگر میں نے بھی کہہ دیا کہ تمہارا خیال غلط ہے۔ میں خود دفتر کی دراز میں رکھ کر آیا ہوں۔ گواہی میں چمکی کو پیش کر دیا۔ چار و ناچار چھوٹی بی چپ ہو گئیں۔ اور کہیں نہ ہوتی۔ بات ہی بے تکی تھی۔ کہو تم کو دفتر کے کاغذات اور الماری سے کیا مطلب۔ چھوٹی بی کو دراصل پورا شبہ ہو گیا تھا کہ اس "تالا کنجی" میں کچھ بھید ضرور ہے۔ اور تھا۔ یہ کل کا واقعہ تھا اور رات کو چھوٹی بی نے مجھ سے جو پھر ہی پوچھا تو میں بگڑ گیا یہ کہہ کر کہ تم نے کیوں میرا پیچھا لیا ہے" اور کنجی کو

بتایا کہ دراز میں رکھی ہے۔ چھوٹی بی کچھ نہ بتا سکی کہ کیوں میز پہ چھپا لیا ہے

آج دوپہر کو یہ ہوا کہ الماری کی واحد کنجی چمکی نے اس گدے بن سے لپٹنے کرتے ہیں چھپا کر رکھی تھی کہ نہ معلوم کس کام سے جو وہ جھکی تو گر گئی۔ اور چھوٹی بی نے دیکھ لی۔ چمکی نے جھٹ اٹھا کر پھر چھپا لی۔ چھوٹی بی نے مانگی تو نہ دی۔ چھوٹی بی نے مار کر لے لی۔ اور چلی الماری کھولنے تو عین موقعہ پر ہاتھ سے جھپٹ کر بھاگی۔ چھوٹی بی نے پھر پکڑ کر چمکی کو خوب مارا۔ اور پھر کنجی لے لی۔ تو اور تو کچھ اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ ایک دم سے کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا اور چھوٹی بی نے محاصرہ کر لیا۔ اور کارروائی محاصرہ جاری ہی تھی کہ میں پہنچا۔ غضب ہوں اور آ گیا کہ مجھ کو حقیقت معلوم نہیں اور میں نے قسم کھا کر کہہ دیا کہ کنجی دفتر کی دراز سے نکال کر میں نے میز پہ چلتے وقت رکھی تھی۔ مگر لانا بھول گیا۔ درحالیکہ کنجی تھی خود چھوٹی بی کے ہاتھ میں۔ اب سوال یہ تھا کہ کیوں میں نے چمکی سے سازش کر کے حقیقت چھپائی اور پھر آخر اس الماری میں کیا ہے۔ چنانچہ یہ تقاضہ ہوا کہ ابھی دکھاؤ الماری۔

میں نے نرمی سے بتایا کہ الماری میں کچھ بھی نہیں ہے سوائے چمکی کی چند چیزوں کے اور جی چاہے ابھی دیکھ لو مگر غصہ کو تھوکو۔

یہ کہہ کر میں نے دروازہ چمکی سے کھلوایا۔ چھوٹی بی غضبناک شیرنی کی طرح کمرے میں گھسی۔ چمکی ایک طرف کو سہمی سی کھڑی رہی اور چھوٹی بی نے الماری کھولی۔ الماری میں چمکی کے چمکدار کپڑے اور اسی قسم کی درجنوں نہیں بلکہ بیسیوں چیزیں تھیں۔ یہ کپڑے کب پہنے جانے تھے! اکیلے میں۔ وہ بھی بہت کم۔ لیکن تھے تو بیشک۔ تیل اور عطر بھی تھا۔ غرض کیا نہیں تھا۔ ذرا سوچئے اور انصاف کیجئے۔ اس سے زیادہ اور کیا چھوٹی بی کے جذبات کا احترام ہو سکتا تھا

کہ یہ کپڑے اور چیزیں محض اس وجہ سے چھپا دیئے گئے تھے کہ چھوٹی بی کے دل کو صدمہ نہ ہو۔ جذبات کو ٹھیس نہ لگے۔ اُس کا دل نہ کڑھے۔ اُس کو رنج نہ ہو۔ اب نتیجہ اس نیک نیتی کا میرے سامنے تھا۔

چھوٹی بی نے ان سب چیزوں کو دیکھا۔ کیا کہہ سکتی تھی۔ یہ کہاں سے آئے؟ بازار سے کون لایا؟ چمکی۔ شاید ایک آدھ چیز میں نے خود دلا دی۔ کیوں یوں ہی چھپائے کیوں؟ تاکہ تمہیں رنج نہ ہو۔ محض بیکار۔ حماقت۔ یہ پہنتی بھی ہے؟ ہاں پہن بھی لیتی ہے۔ تم نے اس بات کو مجھ سے چھپایا کیوں؟ اس لئے کہ تمہیں بُرا لگتا۔ یہ اس سے پہلے بکس میں رکھے تھے؟ ہاں رکھے تھے۔ کس کی اجازت سے؟ میری ہی اجازت سمجھو۔ تم نے کنجی چمکی کو دے دی؟ ہاں دے دی تھی۔ کیوں؟ یوں ہی۔ اور مجھ سے جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ کھو گئی؟ ہاں۔ کیوں؟ وہ بھی اس لئے کہ تم خفا نہ ہو۔ اور تم اس چڑیل کو میرے برابر کر کے رکھو گے؟ نہیں تو پھر اس سے کیا مطلب؟ کچھ بھی نہیں۔ تو میں تو یہ باتیں برداشت نہیں کر سکتی ..... ٹھہر تو جا چڑیل ......"

یہ کہہ کر مارے غصہ کے چھوٹی بی کانپ گئی اور ہل گئی۔ چمکی شاید اس موقع پر یہ عجیب و غریب مکالمہ سُن کر ہنس دی۔ اور چھوٹی بی چشم زدن میں شیرنی کی طرح جھپٹ کر بلائے بے درماں کی طرح گری جو چمکی پر تو اس کے بال نوچ ڈالے اور پکڑ کر جوتیاں جو مارنا شروع کی ہیں تو بس یہی معلوم ہوا کہ پاگل ہو گئی ہیں اس کو مار ڈالوں گی لے ہنس .... ہنس .... اور ہنس ...."جوتی پہ جوتی۔ میں بیچ میں پڑ گیا اور چیخ رہا ہوں اور درمیان میں اپنے کو ڈالتا ہوں۔ مگر وہ نہیں مانتی۔ ہاتھ سے جوتی لی۔ پکڑ کر زبردستی ہٹایا ایک دیوانہ وار اور وحشت زدہ خونی کی طرح اس نے جھٹکے سے اپنے کو چھڑا لیا

اور جوشِ غضب میں بے قابو ہو کر لکڑی اُٹھا کر اس زور سے چمکی کے ماری کہ سر پھاڑ دیا۔ اور جب تک میں روکوں روکوں تڑا تڑ تڑا تڑ سر اور منہ پر لکڑیاں ہی لکڑیاں ایسی ماریں کہ سر اور منہ سب لہولہان کر دیا۔ میں نے پکڑ کر کھینچا گرج کر ڈانٹا۔ "خبردار جو ایک قدم بڑھایا" جھٹک کر میں نے لکڑی چھینی اور دھکیل کر علیحدہ کیا۔ اور مارے غصے کے میں بھی کانپنے لگا۔ اور دو چار لفظ نہایت ہی سخت کہے "ہٹو ہٹو نکلو یہاں سے .... ہوش ہی میں نہیں .... بڑھو تو سہی ...." میں نے بھی جوشِ غضب میں تیور پر بل ڈال کر کہا "ہوش میں نہیں ہیں .... چلو یہاں سے .... نکلو خبردار جو تم نے ادھر قدم رکھا ...."

ایک دم سے چھوٹی بی کا دیوانہ پن گویا رُک گیا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی۔ چہرہ انتہا سے زیادہ متوحش۔ میری طرف اس نے گھور کر دیکھا اور کہا۔

"اس باندی کی حمایت میں تم مجھ سے کہتے ہو کہ نکلو"

"ہاں" میں نے جل کر کہا "ہاں کہتا ہوں۔ نکلو یہاں سے .... دفان ہو"

"کیا تم واقعی مجھ سے کہتے ہو کہ نکلو؟"

"ہاں کہتا ہوں" میں نے کہا "اگر نہیں نکلو گی تو پھر ...."

"تو پھر ..... تو پھر" چھوٹی بی نے گرج کر کہا "تو پھر کیا کرو گے؟"

"یہ کروں گا کہ ..... بس ..... اس وقت خیریت اسی میں ہے کہ سامنے سے دور ہو۔ چھوٹی بی اگر خیریت چاہتی ہو تو سامنے سے ہٹ جاؤ۔ نکلو یہاں سے"

"میں نہیں نکلوں گی"

"نہیں کیسے نکلو گی .... میں تم کو ......"

یہ کہہ کر میں نے غصے سے ہاتھ پکڑ کر چاہا کہ چھوٹی بی کو کمرے سے نکال

دوں تو مارے غصے کے اس نے ایک لرزتی ہوئی چیخ ماری۔ اپنا منہ اور سینہ پیٹ لیا اور غش کھا کر گر پڑی۔

میں نے اور چمکی نے اُسے سنبھالا۔ اور باہر برآمدے میں ایک پلنگ پر لٹا دیا چھوٹی بی کے بدن سے پسینہ کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ چہرہ کاغذ کی طرح سپید ہو رہا تھا۔ چمکی کے ہوش خطا ہو گئے "عالی جاہ! یہ کیا ہوا۔ ارے میری بوی جی" یہ کہہ کر ایسی گھبرائی کہ رونے اور چیخنے لگی۔ میں نے اس کو ڈانٹا۔ پنکھا جھلا۔ پانی کے چھینٹے دیئے۔ اُٹھا کر آرام سے پھر بستر پر لٹایا۔ چمکی کے سر اور منہ سے خون بُری طرح بہہ رہا تھا۔ لہذا میں نے اس سے کہا تو جا کر اپنا سر اور منہ دھو۔ اور خود چھوٹی بی کی تیمارداری میں لگا۔ جلدی سے نوکر کو ڈاکٹر کے لئے دوڑایا۔ اور اس دوران میں ہوش میں لانے کی جو بھی تدبیریں ممکن تھیں کیں۔

ڈاکٹر آیا اور اُس نے دیکھ بھال کر دوا دی۔ تھوڑا بہت حال بھی بتانا پڑا۔ ہدایت کر کے ہوش میں لا کر چل دیا۔ میں نے دیکھا کہ ہوش آیا تو اس نے پھر دیدہ و دانستہ آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے کچھ دودھ دینا چاہا تو نہیں پیا۔ اسی طرح خاموش پڑی رہی۔

رات کو طرفہ معاملہ پیش آیا۔ کوئی دو بجے ہوں گے کہ آنکھ جو کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ چارپائی خالی۔ چمکی کو آواز دی جو برابر ہی زمین پر دری بچھائے سو رہی تھی۔ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ چھوٹی بی غائب تھی۔ گھبرا کر ہم دونوں اِدھر اُدھر دوڑے۔ مکان کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور زینہ میں منہ کے بل بیہوش پڑی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نقاہت کے سبب بیٹھ گئی اور اسی طرح جھک گئی۔ اگر ذرا بھی جنبش ہو تو نیچے سیڑھیوں پر لڑھکتی چلی جاتی۔ اسی حالت

میں ہم دونوں اُٹھا کر لائے۔ صبح کچھ حالت درست تھی۔ لیکن میں نے دیکھا کہ مجھ کو دیکھتے ہی آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ میں نے قریب آ کر محبت سے بالوں میں ہاتھ ڈالا۔ چمکار کر حال پوچھا۔ کراہ کر ایک کروٹ لے لی اور میں نے دیکھا کہ آنکھوں سے آنسو ڈھلکنا شروع ہو گئے۔ پھر بہتیرا میں نے بات کرنی چاہی مگر اُس نے آنکھیں نہ کھولیں اور بدستور آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔ بہت جلد مجھے شبہ ہو گیا کہ مجھے دیکھ کر قصداً آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ ورنہ نسبتاً کل سے بہتر ہے۔ میں نے چمکی کو چپکے سے سکھا کر بھیجا اور خود باہر چلا گیا۔ چمکی نے پیر دلیے ہاتھ دبلئے۔ رو رو کر معافی مانگنے لگی تو آنکھیں کھول دیں۔ آہستہ سے جواب دیا کہ "معاف کیا" اور کہا کہ "اچھی ہوں" کھانے کو پوچھا تو انکار کر دیا پیروں کو کہا تو انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میرے بھائی کو بلوا دو اس کے بعد جو میں آیا تو فوراً آنکھیں بند کر لیں اور میں نے خوشامد کی تو پھر وہی خاموشی اور آنسوؤں کا تار۔

قصہ کو مختصر اس طرح کرتا ہوں کہ کیسا کیسا میں رو رہا ہوں۔ ہاتھ جوڑے ہیں۔ خوشامد کی ہے۔ معافی مانگی ہے۔ پیروں پر سر رکھا ہے۔ لیکن وہاں سوائے آنسوؤں کی جھڑی کے اور کچھ نہ تھا اور آنکھیں بند۔ دوا اور غذا سے انکار اور حالت بد سے بدتر ہو جانے کے سبب میں پھر اٹھ آیا۔ کوئی نو بجے پھر ڈاکٹر آیا۔ اُس سے میں نے کیفیت بیان کی اور تسلیم کیا کہ میں نے کچھ سخت سست کہہ دیا ہے۔ اُس نے حال سن کر مشورہ دیا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ قریب نہ جاؤ اور کوئی ایسی بات نہ کرو کہ جس سے صدمہ پہنچے یا جذبات میں ہیجان ہو۔ اسی وقت بھائی جان کو تار دے دیا۔

چمکی سے چھوٹی بی راضی تھی۔ اُس کو خدمت بھی کرنے دی۔ مگر نہ تو کوئی بات کی

اور نہ کھانا کھایا۔ نتیجہ یہ کہ دوسرے دن جب تک بھائی جان آئیں کمزوری کے سبب سے یہ حال ہو گیا کہ جنبش کرنا دشوار۔

بھائی جان آئے تو اُن سے میں نے مختصر طور پر حال بیان کیا۔ چمکی کو بچانے میں تسلیم کیا کہ غصہ میں ایک آدھ سخت لفظ زبان سے نکل گیا۔ بیچارے چپ ہو گئے بہن سے ملے۔ بہن نے آنکھیں کھولیں۔ گلے میں بھائی کے ہاتھ ڈال کر خوب روئی اور کچھ چپکے سے اُن سے کہا۔ دیر تک وہ بیٹھے رہے۔ پھر میرے پاس آ کے کہنے لگے کہ مصلحت اسی میں ہے کہ گھر لے جاؤں۔ معلوم ہوا کہ قسم کھالی ہے کہ جب تک گھر نہ پہنچ لوں گی۔ نہ تو دوا کھاؤں گی نہ غذا۔ بہتیرا اُنھوں نے سمجھایا مگر بیکار اس طرح ضد پر قائم تھی کہ اندیشہ تھا کہ اصرار کیا تو نہ معلوم کیا ہو۔ میں نے بھائی جان سے کہا کہ مصالحت کئے بغیر کیسے لے جائیے گا۔ چنانچہ اُنھوں نے مجھے مصالحت کا موقع دیا۔ مگر جیسے ہی میں پہنچا۔ تو پھر وہی یعنی آنکھیں بند کر کے کروٹ لے لی۔ کیسی کیسی میں نے خوشامد کی ہے۔ سر پیروں پر رکھ دیا۔ مگر وہاں سوائے آنسوؤں کے اور رونے کے کچھ بھی جواب نہ تھا اور وہ بھی اس طرح کہ ہچکیاں لے کر منہ سے جھاگ نکلنے لگے اور پھر دورہ اور تشنج کی سی کیفیت ہو گئی کہ فوراً پھر ڈاکٹر کو بلایا۔ اُس نے سخت خفا ہو کر کہا۔ کہ اگر اب کی پھر اسی قسم کی حرکت کی گئی اور دورہ ہو گیا تو قطعی مہلک ہو گا۔ چارونا چار گھر یاں نیچے یہاں اسی روز گاڑی ریزرو کروا کر رخصت کیا۔ واپس جو اسٹیشن سے آیا ہوں تو چمکی کا روتے روتے بُرا حال تھا۔

"بھائی جان تم نے میری وجہ سے بوا جی کا یہ حال کر دیا۔"

میں نے کہا "چڑیل کہیں کی۔ مار ڈالتی وہ تجھے۔"

کہنے لگی "مار ڈالنے دیا ہوتا۔"

دو تین روز تک میری عجیب حالت رہی۔ ایسی کہ دفتر سے آتا۔ تیر کی طرح دوڑ کر چمکی آتی۔ پلنگ پر سر پکڑ کر بیٹھ جاتا۔ چمکی جوتے کے فیتے کھول کر جوتہ اتارتی۔ موزہ اتارتی اور سلیپر اتارتی اور منتظر کہ میں اٹھوں۔ مگر بیٹھے بیٹھے میں اسی طرح لیٹ جاتا۔ آنکھیں بند، اور چمکی آہستہ آہستہ پنڈلیاں دبانا اور سونتنا شروع کر دیتی۔ اسی طرح دیر تک پڑا رہتا بالکل بے خبر سا۔ پھر اُٹھتا۔ جیسے بالکل بے بس، چمکی کپڑے اُتار کر سر سے ٹوپی لے کر رکھ دیتی۔ چائے لاتی۔ ایک پیالی پی۔ وہ بھی خاموش اور میں بھی خاموش۔ پلنگ پر تکیہ میں منہ دیے کر پڑا رہا۔ چمکی پیر دبانے بیٹھ گئی۔ سارا بدن دبا رہی ہے۔ اور میں چُپ آنکھیں بند کئے۔ وہ بھی چُپ۔ حتیٰ کہ وہ مجھے چھوڑ کر گھر کے کسی کام میں لگ گئی۔ اور میں بدستور چُپ۔ کھانے کا وقت آیا۔ چمکی نے پھر میرے تلوے سہلائے۔ آہستہ سے کہا: عالی جاہ کھانا کھالو۔ میں نے انکار کر دیا۔ محبت سے، خوشامد سے، میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر، ہاتھ جوڑ کر خوشامد کر کے بمشکل اُٹھایا۔ ایک دو لقمے لے کر پھر اسی طرح لیٹ گیا۔

بخیریت پہونچنے کا تار پہلے ہی آچکا تھا۔ پھر بھائی جان کا خط آیا کہ چھوٹی بی بالکل اچھی ہے صرف کمزوری ہے۔ میرا ذکر آنا ستم ہے۔ میں نے مناسب جواب لکھ دیا۔

اس دوران میں چمکی دن رات میرا دل بہلانے کی ایسی فکر میں لگی رہی کہ گویا چھاتی پر سوار دن اور رات۔ اگر میں کھانا نہ کھاؤں تو وہ بھی نہ کھائے خدا خدا کر کے رفتہ رفتہ دل ٹھکانے آیا۔ ہر دم وہ بس پیش نظر تھا کہ ادھر میں پہونچا نہیں کہ آنکھیں بند کر لیں۔ کیا واقعی میری صورت سے اس قدر بیزار ہے!

بہت جلد طبیعت کو سکون حاصل ہو گیا۔ اور جھمکی نے کھانا کھانے کے بعد چنگ اٹھایا ہے تو جناب کہاں کی چھوٹی بی اور کیسا غم۔ وہ مست کر دینے والی چنگ کی آواز پر جھمکی کے ناچ کا پاتلا جھماکا! وہ غضب کی مسکراہٹ اور اس کی چمکدار اور نشیلی آنکھوں کا رقص۔ وہ میرا بیتاب ہو کر اس کو پکڑنا اور اس کا چھڑا کر اور مسکرا کر چنگ کی ہوشربا لے پر گیت ہی گیت میں گا گا کر ہنسنا۔ یہ خدا معلوم بھی کس قدر خود غرض اور بے وفا واقع ہوا ہے! جھمکی نے دماغ کی کلفت کو دور کر کے روح کی تمام تکلیف اور کلفت کو دور کر دیا۔ چھوٹی بی کی تکلیف اور صدمہ کا خیال بھی نہ رہا۔ قہقہوں میں کیا ہی لطف کی آزادی تھی۔ میں اور جھمکی اور تیسرا کوئی نہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ چھوٹی بی کا وجود ہی تمام کوفت کا باعث ہو رہا تھا کوئی اب ٹوکنے والا نہ تھا۔ خواہ جھمکی رنگا رنگ کپڑے پہن کر ناچے۔ اور اسی طرح صبح تک سہری پر پڑی لوٹتی رہے۔

دوسرے دن جھمکی ایک ریشم کی بسنتی ساڑھی پہنے۔ آڑی مانگ نکالے سیاہ پیپ شو پہنے۔ عطر میں بسی ہوئی ایک مہکتی ہوئی دلربا بیگم تھی جس کے چہرے پر حسن کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔ اور نشیلی آنکھوں میں خوشی کی پریاں ناچ رہی تھیں۔ اور کس مزے سے اور کس آزادی سے وہ گھر بھر میں گھوم رہی تھی۔ ایک خوبصورت ہرنی کی طرح۔ اٹھتے بیٹھتے یہی جی چاہتا کہ اس چنچل اور سیماب صفت کو کلیجہ سے لگائے رہیے۔ ایک پارۂ سیماب تھا جو لرزاں و رقصاں چمکتا اور روشنی میں تڑپتا آنکھوں کو خیرہ کیے دیتا تھا۔ اور رات کو اس پارۂ سیماب میں خدا راگنی کی بجلی بھر دیتا تو معلوم ہوتا عالم کائنات کی راگنی اور رقص کی گویا ناچ رہا ہے۔ دراصل چھوٹی بی کیا گئی عیش و عشرت کا باب کھول گئی۔ قصہ مختصر کوئی دس پندرہ دن تک مسلسل دن اور رات ایک عجیب ہی عالم رہا کہ برسوں کی کلفت دور ہو گئی۔ بھائی جان کے خطوط برابر

آتے رہے جن سے معلوم ہوتا رہا کہ چھوٹی بی رو بہ صحت ہے ۔ مناسب اور مختصر جواب دیتا رہا ۔ بھائی جان کے خطوط کا لہجہ کچھ عجیب تھا ۔ ایک پوشیدہ طنز تھا جس پر غور کرنے اور گہرائی پر پہونچنے کی موجودہ دلچسپیوں کے سبب ذرا کم فرصت تھی ۔ لہٰذا نہ تو کسی طعن آمیز جملہ کا نوٹس لیا گیا اور نہ اس کا جواب مناسب دیگر قائم کرنے کی یا صفائی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ۔

خودداری

انداز اً ڈیڑھ مہینہ بعد ایک خط خود چھوٹی بی کا آیا۔ اس لحاظ سے نہایت ہی مختصر تھا کہ اتنے دن بعد لکھا گیا۔ اس میں لکھا تھا کہ "میں نے جو کچھ بھی تم سے گستاخی کی ہو وہ معاف کرنا۔ میں کمبخت ہوں اور بد قسمتی سے جو کچھ بھی میں نے کیا وہ تمہاری ہی لافانی محبت سے مجبور ہو کر کیا۔ تمہاری ہوں اور عمر بھر تمہاری ہی محبت میں جلتی رہوں گی۔ لیکن جو ارادہ کر چکی اس پر خدا مجھ کو قائم رکھے۔ انشاء اللہ مرتے مر جاؤں گی مگر نہ تو کبھی تم کو اپنی منحوس صورت دکھاؤنگی ......"

اس خط کا میرے دل پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ دو روز تک سوچتا رہا کہ کیا جواب دوں۔

چمکی کو بتایا کہ کیا لکھا ہے۔ کہنے لگی: "لے آؤ انھیں منا کر۔"

میں نے کہا "چل مکارہ۔ آئی وہاں سے مجھے احمق بنانے"

اس پر قسمیں کھانے لگی۔ میں نے مارنے کو کہا اور چپ کر دیا۔ پھر ایک مصالحت آمیز خط چھوٹی بی کو لکھا۔ چھوٹی بی نے اس خط کو جوں کا توں بند کا بند ہی ایک اور لفافہ میں بند کر کے مجھے واپس کر دیا۔ میں نے بھائی جان سے شکایت کی تو انھوں نے لکھا ......" اس کی حالت قابل رحم ہے۔ کاش تم دیکھتے تو صحیح

اندازہ لگاتے۔ اگر یہی حال رہا تو اس کی صحت سخت خطرہ میں ہے۔"

میں نے اس خط کا مناسب جواب دیا۔ اور تلافی کی شرائط کا چاہیں۔

پھر اس کے کچھ عرصہ بعد بھائی جان کا خط آیا کہ چھوٹی بی گھلتی چلی جا رہی ہے کئی کئی دن کھانا نہیں کھاتی۔ اور دن اور رات روتے گذرتی ہے۔ نہ کوئی دوا کھاتی ہے۔ حالت قابل رحم ہے اور مجھے چاہیے کہ جلد توجہ کروں۔ بلکہ آ کر خود کچھ تلافی کروں۔ اس خط سے میں قدرے متفکر ہوا۔ اور ایک ہفتہ کی رخصت لیکر گیا۔ مگر بجز اس نہیں سمجھتا تھا کہ واقعی وہ مجھ سے نہیں ملے گی۔ کیسی کیسی ہر کس و ناکس نے کوشش کی ہے۔ میں نے کیسی کیسی خوشامدیں کی ہیں۔ گڑگڑا دیا ہوں۔ رو دیا ہوں۔ دہائی دی ہے۔ مگر خدا کی پناہ! اس نے اپنے کو کوٹھڑی میں بند کر لیا۔ اور دروازہ کھولنے سے قطعی انکار کر دیا۔ تاوقتیکہ بھائی جان دروازہ پر آ کر حلف نہ اٹھائیں کہ میں گیا بالکل گیا یعنی ریل میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ اور اس نے دروازہ نہیں کھولا اور مجبوراً مجھے جلد سے جلد وہاں سے بھاگنا پڑا۔ گریاں و بریاں۔ کیونکہ لیڈی ڈاکٹر جو علاج کر رہی تھی اس نے بتایا کہ حالت اچھی نہیں ہے۔ اور سسرال والوں اور دوسروں سے معلوم ہوا کہ میری محبت میں دن و رات سر دھنتی ہے۔

اس المناک داستان کو یوں مختصر کرتا ہوں کہ سال بھر کے اندر اندر میری محبت میں وہ خوددار سچ مچ سر پٹخ پٹخ کر مر گئی۔ تین دفعہ میں گیا اور تباہ و برباد حال کر کے ہر دفعہ روتا پیٹتا واپس آیا۔ جب حالت خراب ہوئی تو میں نے چمکی سے کہا۔ وہ خود اس قدر گھبرائی کہ بیان سے باہر۔ کہنے لگی "عالی جاہ" تم نے میری وجہ سے یہ کیا کر دیا۔ مجھ کو تم چھوڑ دو اور ان کو بلا لو" میں چھوٹی بی کی طرف سے ایسا مایوس سا ہو گیا تھا۔ کہ میں نے چمکی سے کہا کہ "اچھا تو خود جا

اور ان سے جا کر کہہ، اور راضی ہوں تو بلا لے آ۔ تو چلی جائیو" یہ کہہ کر میں نے چمکی کو بھیجا اور بھائی جان کو لکھا کہ میں اسے چھوڑنے کو تیار ہوں؟

چمکی وہاں پہونچی تو چھوٹی بی اس کو دیکھ کر مسکرائی۔ چمکی نے دوڑ کر پیروں پر سر رکھ دیا اور آنسوؤں سے چھوٹی بی کے پیر تر کر دیئے۔ مگر چھوٹی بی نے اس کو اٹھایا اور بڑی نرمی سے سینے سے لگایا۔ اور اکیلے میں ایک ایسی بات کہی جو آج تک میرے دل میں تر و تازہ ہے۔ اس نے کہا "میں نے تجھ کو معاف کیا۔ بلکہ مجھ کو تجھ سے محبت ہے۔ اس لئے کہ جس سے میں محبت کرتی ہوں اس کو تجھ سے محبت ہے" اور یہ کہہ کر چمکی کی پیشانی پر بوسہ لیا اور انتہائی جذبات کے سبب غش کھا گئی۔

قصہ مختصر چمکی نے کیسی کیسی خوشامد کی ہے اور کیسا کیسا روئی پیٹی ہے کہ خدا را چلی چلو۔ میں چلی جاؤں گی۔ لیکن وہاں صرف یہی جواب تھا کہ ادھر آ۔ اور قریب بلا کر گلے سے لگا کر اس کی پیشانی پر ایک بوسہ لیا۔ اور پھر آنکھوں سے جو آنسوؤں کی جھڑی لگی تو روکے نہ رکی مجبوراً ناچار روتی ہوئی واپس آئی اور جو حالت اس نے بیان کی ہے اس کو سن کر میرا کلیجہ پاش پاش ہو گیا۔ اس کی صداقت کا یہ اثر تھا کہ چمکی جب سارا حال بیان کرتی تو خود روتی اور مجھے رلاتی۔ اور کہتی کہ "عالی جاہ تم نے بیوی جی کا خون کیا ہے۔ ان کو کسی طرح بچاؤ۔"

جب اس کی حالت انتہا سے زیادہ خیر ہوئی اور آخری وقت آیا تو میں پہونچا۔ مگر اس وقت بھی بدستور وہی ضد تھی۔ میرے سامنے ہی انتقال کیا۔ آخری خواہش یہ کی کہ مجھے دیکھنا چاہتی ہے۔ میری حالت یہ سن کر تباہ ہو گئی۔ غالباً نزع کا عالم ہو گیا۔ میں اندر گیا تو موت کا سا

سناتا تھا۔ مجھے نہیں خبر کہ کب مجھے دیکھا اور کس طرح سنایا۔ مادر نے اٹھاکر دکھایا مگر دیکھتے ہی گردن ڈھلک گئی اور غش آگیا۔ جو چند گھنٹے بعد مرنے سے صرف تھوڑی دیر پیشتر دور ہوا۔

وصیت یہ کی کہ بعد مرنے کے بھی میں منہ نہ دیکھ سکوں۔ موت کی خبر سن کر میں غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور مجھ کو کہنا پڑا کہ :-

اے عورت تیرا نام خودداری ہے

گھر پہنچا تو چمکی نے اپنی خوددار عورت کا سوگ منایا۔ جہاں جہاں چھوٹی بی کے ہاتھ سے اس کے چوٹیں لگی تھیں ان پر زعفران اور سیندور کا ٹیکہ دیا اور ماتمی لباس پہن کر سوگ منایا اور چنگ بجا بجا کر مرثیہ پڑھا۔

"اے عالی جاہ تم نے بیوی جی کو میری خاطر مار ڈالا!"
تم انتہائے زیادہ ظالم اور بیوفا ہو۔
ایک دن تم چمکی کو بھی اسی طرح مار ڈالو گے۔
اے عالی جاہ تم نے بیوی جی کو ناحق مارا
اس کے بال بھورے تھے۔
اس کا رنگ سرخ و سپید تھا۔
اس کی آنکھیں نیلگوں اور نشیلی تھیں۔
وہ تمہاری محبت میں دیوانی تھی۔
تمہاری محبت کے سبب وہ مجھ کو مارتی تھی۔
اے عالی جاہ تم نے خوب محبت کا صلہ دیا
اس کی محبت راجپوت کے کھانڈے کی طرح تھی۔

اس کی سی محبت میں کبھی نہیں کر سکوں گی۔
اے میرے عالی جاہ کیا میں سچ کہہ دوں۔
اس نے میری پیشانی کو محبت کے بوسوں سے تر کر دیا۔
مجھے محبت سے گلے لگا لیا۔
کیونکہ عالی جاہ تم مجھ سے محبت کرتے تھے

اور میں نے اس جنگلی عورت کی اس ٹیگ بندی کے آخری لفظ سن کر کہا "چپ رہ بانہیں کہیں کی .... اب جو کبھی تو نے یہ راگ الاپا تو.......!"

ایک ٹھنڈی سانس میرے سینے سے نکلی اور میں خاموش رہ گیا۔

وجوہات

جناب من یہ ہیں میرے وجوہات جن کی بنا پر میں اس کا قائل ہوں کہ "اے عورت تیرا نام خودداری ہے" اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر یہ کہتا ہوں کہ عورت خواہ غریب ہو کہ امیر۔ شریف ہو کہ رذیل اس میں خودداری کا مادہ خداوند تعالیٰ نے ایسا ودیعت فرمایا ہے کہ مرد کو یہی چاہیئے کہ اے خدا تو میری گھر والی کے جذبہ خودداری کو خوابیدہ ہی رکھ۔ وہ جذبہ کہ حسد پر محبت کی آگ اور ستم بھی ڈھاتی ہے ....

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

میں نے ان کا دل دہ خفقہ سن کر ان کے ساتھ ہمدردی کی اور جمگی کو پوچھا ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہنے لگے کہ "برادرم! مرد ایک انتہا سے زیادہ بے رحم جانور ہے۔ اس کو اپنے مطلب سے غرض۔ آج ڈیڑھ سال اس غریب کو مرے ہوا۔ ایک دو مہینے تو جانے دیجیئے لیکن اس کے بعد کا

پوچھئے کہ جھکی کی جماب میں کتنا اضافہ ہوگیا۔ اور کتنے قسم کے اس نے گیت ا
ناچ نئے سیکھے اور کتنے قسم کے اس نے اس دوران میں باجے بجانا سیکھے ہیں
یہ تو کہئے کہ وقتی بحث تھی، جس کے سر کرنے کے خیال سے قصداً ماضی دہرانا پڑ
ورنہ خود سوچئے کہ مردوں کو بھلا کہاں فرصت جو اس کے فضول قصّوں ک
یاد کرکے خواہ مخواہ کا درد سر پیدا کریں۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

دراصل اُن حضرت کا افسانہ اس قدر طویل ہو گیا تھا کہ وقت نہ رہا ورنہ ان حضرت کے وجوہات بھی سن لیتے جن کا خیال تھا کہ "اے عورت تیرا نام مکاری ہے" لہذا احباب رخصت ہوئے اور یہ طے ہوا کہ پھر کسی صحبت میں اس بحث کو دیکھا جائے گا۔

تمام شد

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

پرنٹر پبلشر احیاءالدین نظامی بدایوں

۱۹۵۵ء